اصلاحی مجالس
حضرت مولانا سید مفتی مختار الدین صاحب مدظلہ کربوغہ شریف
خلیفہ مجاز برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی
نور اللہ مرقدہ
جمع وترتیب
حضرت مولانا مفتی عصمت اللہ صاحب زید مجدہ
تخریج وتعلیق
حضرت مولانا مفتی سید شاہ اسلام صاحب زید مجدہ
دار الایمان
DARUL-IMAAN

نام کتاب..................اصلاحی مجالس

مصنف..................حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب

طبع..................اگست ۲۰۱۰ء

باہتمام..................دارالایمان راولپنڈی

قیمت..................

ملنے کے پتے

۱۔ دارالایمان نزد مسجد صدیق اکبر اللہ آباد ویسٹر ج 3 راولپنڈی

0321-2032856______0323-5530047

۲۔ مکتبہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

۳۔ جامعہ زکریا دارالایمان کربوغہ شریف ضلع ہنگو 0925-662313

۴۔ جامع مسجد مومن، صاحبزادہ گل روڈ بارہ سٹاپ صدر پشاور

0300-5980769

۵۔ ادارہ اسلامیات انارکلی اردو بازار لاہور

۶۔ الخلیل پبلشرز کمیٹی چوک راولپنڈی

۷۔ مکتبۃ الشیخ بہادر آباد کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم
الله أكبر

فہرست

عرضِ ناشر

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

زیرِنظر کتاب حضرت اقدس شیخ المشائخ حضرت مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے ان اصلاحی مواعظ وملفوظات پر مشتمل ہے جو کہ حضرت اقدس نے اپنی خانقاہ ''دارالایمان والتقویٰ'' میں ۲۰۰۸ء کے رمضان المبارک کے موقع پر سالکین وطالبین کی اصلاح اور راہ نمائی کے لئے ارشاد فرمائے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ حضرت قطب الاقطاب ریحانۃ الدہر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے خلیفہ مجاز اور ہزاروں طالبین حق کے مرشد ومقتدا ہیں وہ اپنے آبائی علاقے کربوغہ شریف (جو کہ ضلع ہنگو کی تحصیل دوآبہ کے مضافات میں ہے) میں طالبین وسالکین کی اصلاح اور تعمیر وترقی میں شب وروز کوشاں ہیں۔

حضرت کی خانقاہ میں سال بھر پاکستان کے مختلف علاقوں سے مختلف طبقات زندگی سے تعلق رکھنے والے دوست واحباب صرف اور صرف اپنی اصلاح اور کامل دین کی اتباع توحید خداوندی کے ساتھ ساتھ ہرلمحہ ہرآن، ہرگھڑی اپنے خالق ومالک اللہ تعالیٰ کا دھیان اور استحضار سیکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے محسن وآقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا عشق اور آنحضرت ﷺ کی کامل اتباع سیکھنے کے لئے آتے ہیں۔

الحمدللہ یہاں سارا سال ایک جامع نصاب تعلیم کے تحت سالکین وطالبین ہدایت کے لئے عقائد واخلاق مسائل وحقوق آداب کی تعلیم دی جاتی ہے اور خصوصاً اصلاح نفس اور اخلاقیات کی تعلیم حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم بنفس نفیس فرماتے ہیں انتہائی سادہ مگر اخلاص وللّٰہیت سے بھرپور ارشادات جہاں دلوں کی اجڑی بستیوں کو ایمان وتقویٰ کے ثمرات سے مزین

وآراستہ کرتے ہیں وہاں تشنگان علم کی الجھی ہوئی گتھیاں بھی سلجھتی ہوئی نظر آتی ہیں ۔ معارف وحقائق کے ان بہتے ہوئے دریا سے سیراب ہونے والوں کی عرصہ دراز سے یہ کوشش اور خواہش رہی ہے کہ حضرت کی مجالس کو ضبط کر کے عوام الناس تک طباعت کی صورت میں پہنچایا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ مستفید ہوسکیں۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے جناب حضرت مفتی عصمت اللہ صاحب دامت برکاتہم کو جنہوں نے انتہائی محنت کے ساتھ حضرت کی ان اصلاحی مجالس کو جمع کر کے ترتیب دیا اور حضرت مفتی شاہ اسلام صاحب مدظلہٗ نے تخریج کر کے اس کتاب کی خصوصیت میں مزید اضافہ کیا اور اللہ تعالیٰ حضرت کے صاحبزادہ مفتی زبیر شاہ صاحب دامت برکاتہم کو بھی اجر عظیم عطا فرمائے جو حضرت کی دیگر تصانیف اور علمی کاموں کی تکمیل وطباعت کے ساتھ ساتھ خصوصاً اس کتاب کی تیاری میں بھی نگرانی فرماتے رہے۔

یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اس کتاب کی تیاری میں مرتب اور ادارہ کے پیش نظر یہ بات رہی ہے کہ جہاں حضرت کے قیمتی ارشادات لوگوں تک پہنچ سکیں وہاں حضرت کی شخصیت کا تعارف اور ان کی مجالس کے رنگ کی بھی کچھ منظر کشی ہو سکے اور پڑھنے والا اپنے آپ کو اس مجلس سے جدا نہ سمجھے اور صحیح طریقے سے مستفید ہو سکے ہم اپنی کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں اس کا فیصلہ قارئین کرام ہی کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائیں اور تمام امت مسلمہ کے لئے اسے نافع بنائیں اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائیں۔ آمین

والسلام

ظہور احمد عباسی

۴ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ

بمطابق ۱۵ اگست ۲۰۱۰ء

پہلی مجلس

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کو تمام محبتوں پر غالب کرلیں

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

اللہ رب العالمین جل جلالہ قرآن کریم کی سورۂ توبہ میں فرماتے ہیں:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (التوبۃ : ۲۴)

(مندرجہ بالا آیت کا مفہوم یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں کہ آپ ان مسلمانوں سے کہہ دیں! کہ اگر تمہیں تمہارے آباواجداد اور تمہارے بیٹے، پوتے، پڑپوتے اور نواسے اور تمہارے بھائی اور چچا اور تمہاری برادری اور رشتے داریاں اور تمہاری تجارت، ایسی تجارت جس کے بند ہونے کا (تمہیں) اندیشہ ہو اور ایسے گھر جو تمہیں محبوب ہیں (بعض مرتبہ انسان گھر سے تنگ ہوتا ہے، لڑائیاں اور جھگڑے ہوتے ہیں آدمی سوچتا ہے ادھر سے چلا ہی جاؤں تو آیت مذکورہ میں ایسے گھر کا تذکرہ نہیں ہے جس سے آدمی پریشان ہو بلکہ وہ گھر مراد ہے جو آدمی کو پسند ہو اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اس دنیا کی وہ تمام چیزیں جو انسان کو نسبتاً دوسری چیزوں کے زیادہ پسند ہوتی ہیں مختصر سمیٹ کر کے بیان فرمانے کے بعد فرمایا:)

''(اگر یہ ساری چیزیں) تمہیں اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول ﷺ سے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں (تو ایسی صورت میں تم اللہ کے راستے سے بھٹکنے والے ہوگے) تو تم انتظار کرو تم پر اللہ کا عذاب آئے گا (تم گمراہ ہو جاؤ گے تم فاسق ہو جاؤ گے) اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' (توبہ آیت ۲۴)

اللہ سے محبت کا مفہوم

اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی محبت یہ ہے کہ اللہ کے احکامات، اس کی ہدایات اور اس کے شعائر یعنی اس کے نام سے لگی ہوئی چیزوں سے محبت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں تو نظر نہیں آتے کہ آدمی اس سے جا کر گلے مل جائے کہ واہ! واہ! ماشاء اللہ مجھے آپ سے بڑی محبت ہے۔ (اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ سے محبت یہ ہے کہ جو چیزیں اللہ کو محبوب ہیں ان چیزوں سے محبت کی جائے۔ اس بات کو یاد رکھیں! کیوں کہ اس معاملہ میں لوگ بہت بڑے مغالطے دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اصلی چیز اللہ تعالیٰ کی محبت ہے دوسری چیزوں میں کیا رکھا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اللہ کی محبت ہم کیسے پہچانیں گے ہمارے پاس کیا پیمانہ ہے؟ پیمانہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات سے محبت ہو، اُن پر چلنا ہو، اور جو چیز اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو وہ ہمیں محبوب ہو اور جو اللہ تعالیٰ کو مبغوض ہو وہ ہمیں بھی مبغوض ہو۔ یہی اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔ آیت مذکورہ میں ''وَجِھَادٍ فِی سَبِیْلِہٖ'' بھی فرمایا گیا ہے (جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر یہ مال، اولاد، گھر بار اور رشتہ داریاں وغیرہ تمہیں اللہ کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ پسند ہوں تب اللہ کے عذاب کا انتظار کرو) جہاد کرنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کا تقاضہ ہے کہ جو شخص اپنے رب سے محبت کرتا ہے، اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے تو یہی شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے راستے میں اپنے نفس کے ساتھ جہاد کر سکتا ہے اور اس سے آگے بڑھ کر اگر اس کے راستے میں کوئی ظاہری دشمن کا فر حائل ہو جائے تو اس کے ساتھ وہ قتال کرے گا، اگر کوئی ایسا کرے گا تو معلوم ہوا کہ اسے اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے ساتھ صحیح معنوں میں محبت ہے، اور اگر (وقت آنے پر) اللہ کے

راستے میں جہاد نہیں کرتا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں کمی ہے۔ بہر حال آج میں صرف نبی کریم ﷺ کی محبت سے متعلق بات کروں گا۔

آپ ﷺ کی محبت ایمان کا حصہ ہے

آپ ﷺ کی محبت (ایمان کا حصہ ہے) یہ شرطِ ایمان ہے۔ مذکورہ آیت میں دیکھ لیجئے اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے بعد کس کا نام آیا؟ رسول اللہ ﷺ کا نام آیا ہے "اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ" نیز آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْن

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایمان دار نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کو اس کے والد سے (آباواجداد سے) اور اس کے بیٹوں سے (بچوں سے، اولاد سے) اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔" [1]

مطلب یہ ہے کہ اگر یہ آباواجداد اس قدر محبوب ہیں کہ ان کی وجہ سے حضور ﷺ کو ناراض کرتا ہے یعنی آپ ﷺ کی اتباع کو چھوڑ دیتا ہے اور آپ ﷺ کے طریقے کو چھوڑ دیتا ہے۔ تو پھر آپ ﷺ سے گویا زیادہ ان چیزوں کی محبت ہے (اور یہی چیز نقصان دہ ہے)۔

محبت عارضی اور محبت حقیقی میں فرق

ایک محبت عارضی محبت ہے وہ تو انسان کو کبھی (اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ماسوادیگر چیزوں مثلاً مال اولاد وغیرہ سے بھی) ہوجاتی ہے اور ایک حقیقی محبت ہے جس کو عقلی محبت بھی کہتے ہیں حقیقی اور عارضی محبت کا پتہ مقابلے میں چلتا ہے مثلاً نبی کریم ﷺ کی سنت کے ساتھ تمہارے

---

[1] أخرجه البخاري ج ا صـ۷ كتاب الايمان: باب حب الرسول ﷺ من الايمان ومسلم ج ا صـ۴۹ كتاب الايمان: باب وجوب محبة رسول ﷺ وفي رواية. احبَّ اليه من اهله وماله والنّاس اجمعين. رواه النسائي. كتاب الايمان وشرائعه باب علامة الايمان.

باپ یا بیٹے کا مقابلہ ہو جائے اب تم کس کو ترجیح دیتے ہو، اسی طرح مثلاً: سنت کے مقابلے میں کھیتی آ گئی، یا اللہ کے حکم کے مقابلے میں زمین آ گئی، مال آ گیا، دولت آ گئی۔ اب اگر یہ (مذکورہ) چیزیں تم اس وقت قربان نہیں کر سکتے تو معلوم ہوا کہ ان چیزوں کے ساتھ تمہاری محبت (اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے زیادہ ہے جو کہ سخت نقصان کی بات ہے) اور اگر (مقابلے کے وقت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر ان) چیزوں کو قربان کر سکتے ہو تو پھر (یہ چیزیں) نقصان دہ نہیں ہیں۔

ایک صحابی رسول ﷺ کا عشقِ رسول ﷺ

ایک صحابی ہیں انہیں ایک مرتبہ بڑی فکر لاحق ہوئی کہ او ہو نبی کریم ﷺ تو جنت میں بہت بڑے اعلیٰ درجات پر ہوں گے، اگر ہمیں اللہ جل جلالہ نے جنت نصیب بھی فرما دی تب بھی نبی کریم ﷺ (بڑے درجات پر) کہیں اور ہوں گے (اور) ہم (نچلے درجات پر) کہیں اور ہوں گے، پھر تو ہم نبی کریم ﷺ کو نہیں دیکھ سکیں گے (یہ سوچ کر) انہیں رونا آیا (اور وہ سوچنے لگے کہ) ہم تو محروم ہی ہو گئے۔ بس وہ نبی کریم ﷺ کے دروازے پر روتے ہوئے بیٹھ گئے نبی کریم ﷺ جب باہر تشریف لائے تو (انہیں روتا ہوا دیکھ کر) دریافت فرمایا: کیا ہوا ہے تمہیں؟ کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! بس یہ فکر لاحق ہو گئی ہے کہ ہم آپ (ﷺ) کو (یہاں دنیا میں) ایک دن نہ دیکھیں تو ہمارے لئے گویا کہ قیامت بن جاتی ہے، تو جنت میں تو آپ (ﷺ) بہت اعلیٰ درجات پر ہوں گے اور ہم کہیں اور ہوں گے تو ہم کیسے آپ ﷺ کو (ہر وقت) دیکھ سکیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے (انہیں تسلی دیتے ہوئے) فرمایا:

المرء مع من احب [۱]

---

[۱] اخرجه البخاری ج۲ صــ ۹۱۱ کتاب الأدب: باب علامة الحب فی الله. ومسلم ج ۲ صــ ۳۳۲ کتاب البر والصلة. واخرجه البخاری ومسلم من حدیث انس ﷺ ان أعرابیًا قال لرسول الله ﷺ متی الساعة؟ قال له رسول الله ﷺ ماأعددت؟ قال حب الله ورسوله قال اَنت مع من أحبَبتَ.

’’آدمی (قیامت کے دن) اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے (دنیا میں) محبت ہو۔‘‘
بھائیو! آپ دیکھ لیں کہ آپ کی محبت کس کے ساتھ ہے لہٰذا آپ نیک اور اچھے لوگوں کے ساتھ محبت رکھیں! مجاہدین کے ساتھ محبت رکھیں، مبلغین کے ساتھ محبت رکھیں، علماء کرام سے محبت رکھیں، ان شاء اللہ سب کے ساتھ تمہارا حشر ہوگا۔

حضور ﷺ کے ساتھ محبت پیدا کرنے کے اسباب

نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت رکھنا یہ شرط ایمان ہے۔ اس کے بڑھانے کے مختلف اسباب ہیں۔
(۱) پہلی بات یہ کہ نبی کریم ﷺ کی (مبارک) سنتوں پر عمل کریں اب اس کے لئے کوئی جذبہ بھی ہونا چاہئے جو آپ کو عمل پر ابھارے اس جذبے کے لئے نبی کریم ﷺ کی سیرت (طیبہ) کا مطالعہ کریں، آپ ﷺ کے شمائل واخلاق کو پڑھا کریں اس سے نبی کریم ﷺ کے (مبارک) اخلاق آپ (لوگوں) پر کھلیں گے جس سے آپ حضرات کو اتباع بھی نصیب ہو جائے گی اور آپ کے دل کے اندر نبی کریم ﷺ کی محبت بھی بیٹھ جائے گی۔
(۲) دوسری بات یہ کہ نبی کریم ﷺ کے لئے کثرت کے ساتھ دعائیں کریں، درود شریف نبی کریم ﷺ کے لئے دعا ہے (اس لئے کثرت سے درود شریف کا اہتمام کریں) امت کے لئے بھی دعائیں کریں اس طرح اور بھی اسباب ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے آثار[1] کے ساتھ محبت کریں، بعض لوگوں کو آثار کے معاملہ میں بڑا مغالطہ لگ جاتا ہے۔

---

[1] اثر کا لغوی معنی ہے۔ البَقِيَّةُ من الشي۔ اور ادھر آثار سے مراد تبرکات اور نشانات ہیں۔

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے سفرِ عمرہ کا ایک دلچسپ اور سبق آموز واقعہ

ایک واقعہ آپ کو سناتا ہوں، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں عمرہ ادا کرنے چلا گیا، عمرے کے مواقع پر غارحرا پر رش کم ہوتا ہے پھر گرمی کے موسم میں تو رش ہوتا ہی نہیں۔ وہ گرمیوں کا موسم تھا ظہر کے بعد مجھے خیال آیا کہ میں غارحرا جاؤں کیوں کہ (میں نے سوچا کہ) یہ ایسا وقت ہے کہ کوئی ہوگا بھی نہیں (کیوں کہ) گرمی ہے۔ دوسری بات یہ کہ میں جلدی سے عصر کی نماز میں مسجد حرم واپس آجاؤں گا۔ (چنانچہ) میں چلا گیا، مشکل سے میں وہاں پہنچ گیا، بہت مشکل کے ساتھ میں پہنچا راستہ بہت بگڑا ہوا تھا لیکن راستے میں مجھے یہ خیال آتا گیا کہ یا اللہ تو نے نبی کریم ﷺ کے دل میں کیسی محبت اور کیسا عشق رکھا تھا اس وقت کے راستے (تو بہت ہی زیادہ کسمپرسی والی حالت میں ہوتے ہوں گے آج کے راستوں کے بنسبت پھر بھی آپ ﷺ اس غار میں تشریف لاتے تھے) اب تو راستے بن گئے ہیں۔ اور پھر (میں نے سوچا کہ) ہم (حرم مکی سے) یہاں (پہاڑ کے دامن) تک گاڑی میں آگئے ہیں (پھر بھی ہمیں اتنی مشقت ہو رہی ہے) جبکہ نبی کریم ﷺ تو اپنے گھر (مبارک) سے ہی پیدل تشریف لے آتے تھے جبکہ (آپ ﷺ کے گھر سے لے کر اس پہاڑ کے دامن تک) بذات خود ایک لمبی مسافت ہے پھر پہاڑ کے دامن سے غارحرا تک کا راستہ ایک اور سفر ہے اور سوچا کہ نبی کریم ﷺ کئی کئی ہفتے اور تیس تیس دن، بیس بیس دن یہاں گزارتے تھے اور آپ کے پاس صرف کھجوریں اور کھانے کی خشک چیزیں ہوتی تھیں یہ کیسا عشق ہے اللہ کا کہ آپ ﷺ اللہ کی محبت میں گم ہو گئے تھے۔ کتنے حیران تھے اللہ کے عشق میں کیسی محبت ان کو ہوگئی تھی۔ یہ تصور آیا دیکھیں! اگر پہاڑ پر میں نہ جاتا تو یہ تصور مجھے نہیں آسکتا تھا۔ لہٰذا ان چیزوں کی وجہ سے شرکیہ افعال نہیں کرنے چاہئے بلکہ ان چیزوں سے عبرت لینی چاہئے۔

آثار رسول ﷺ سے متعلق سعودی حکومت کی نامناسب پالیسی

جب میں پہاڑ کے اوپر پہنچا، بہرحال بڑی مشکل سے پہنچا اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے فضل فرمایا کہ میں وہاں پہنچ گیا تو دیکھا کہ وہاں ایک کیبن لگائی ہے اس کیبن میں کچھ لوگوں کو حکومت ہی نے متعین کیا ہے تاکہ وہ (آنے والے) لوگوں کو یہ سمجھائیں کہ پہاڑ پر آنا بدعت ہے آپ لوگوں کا ذہن بناتے ہیں اب تو شاید کم بناتے ہیں پہلے بہت سختی کرتے تھے اب انہیں بھی فکر ہوگئی ہے کہ یہ بات ایسی نہیں ہے کیوں کہ بار بار لوگوں نے انہیں سمجھایا۔ باتیں وہاں پہنچ گئی ہیں کیوں کہ علماء حضرات وہاں کی حکومت کو بتاتے ہیں کہ لوگ تمہارے بارے میں یہ شکایت کرتے ہیں۔ بہرحال جب ہم وہاں (کیبن کے پاس) پہنچ گئے تو انہوں نے حسب دستور مجھے بھی کہہ دیا کہ تم یہاں پہاڑ پر آگئے ہو؟ پہاڑوں میں کیا رکھا ہے۔ اور پہاڑوں پر آنا مشروع نہیں بلکہ بدعت ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ بدعت کیوں ہے؟ آپ مجھے بدعت کی تعریف بتادیں کہ یہ کیوں بدعت ہے۔ اس نے کہا کہ پہاڑوں پر جانے میں اگر کوئی کہے کہ اس میں ثواب ہے (تب تو بدعت ہے) میں نے ان سے کہا ثواب کو چھوڑیں کیوں کہ ثواب تو نیت کی بات ہے اب کوئی نیت کرتا ہے کوئی نہیں کرتا ہے۔ کیا ان پہاڑوں پر جانے والے بدعت کرتے ہیں، کوہ طور پہاڑ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں جاتے تھے پہاڑ ہی سمجھتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑ کو ایک عزت بخشی اور اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا فرمادی۔

خود نبی کریم ﷺ یہاں تشریف لاتے تھے، کئی کئی ہفتے گزارتے تو کیا نبی کریم ﷺ بدعت کا ارتکاب کرتے تھے؟ اس بات پر وہ (عرب) تھوڑا سا میرے ساتھ الجھا کہ وہ تو نبوت سے پہلے تھا۔ میں نے عرض کیا کہ نبوت سے پہلے تھا تو نبوت انہیں ملی کہاں سے؟ وہ کون سی جگہ تھی

جہاں پر آنحضرت ﷺ کو نبوت ملی؟ اسی جگہ سے (انہیں) نبوت ملی ہے۔ کیا بدعات کے ارتکاب میں نبوتیں ملتی ہیں پھر یہ بات بھی درست نہیں کہ نبوت کے بعد آپ ﷺ کبھی حراء میں نہیں آئے بلکہ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں اس کی وضاحت بھی موجود ہے کہ آپ ﷺ بعثت کے بعد بھی غار حرا آتے تھے۔ بہر حال پھر میں نے ان سے شکایت کی کہ مجھے آپ سے اور آپ کی حکومت سے ایک شکایت ہے اور اس شکایت میں میں تنہا نہیں ہوں بلکہ بہت سارے علماء کرام کو یہ تشویش ہے کہ آپ کی حکومت آثار رسول ﷺ کو مٹاتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آثار میں کیا رکھا ہے؟

میں نے کہا کہ آثار میں اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ رکھا ہے۔ انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کے کرتے کو عبداللہ بن ابی منافق کے ساتھ دفن کیا گیا لیکن اس کرتے نے عبداللہ بن ابی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا سوال واقعی ٹھیک ہی تھا، میں آپ کے سامنے پوری بات لانا چاہتا ہوں تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ آخر لوگ کیسے کیسے مغالطے دیتے ہیں۔ ہمیں کن کن حربوں کے ساتھ راستے سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ انہیں یہی سبق پڑھایا گیا تھا (اس لئے انہوں نے یہی سوال کیا) میں نے انہیں بتایا کہ اگر اس کرتے کے ساتھ عبداللہ بن ابی کو محبت ہوتی تو اللہ پاک اس کے لئے کوئی سبیل نکال لیتے، یہی محبت اس کا بیڑا پار کرتی۔ لیکن اس کو تو نبی کریم ﷺ کے کرتے سے بغض تھا، بغض سے رحمتیں نہیں آتیں، رحمتیں محبت سے آتی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ خود ان چیزوں کے اندر کوئی کمال ہے بلکہ ان چیزوں کی محبت اللہ کی رحمت کو کھینچ لاتی ہے۔ یعنی نیکوکاروں کی محبت رحمت کو کھینچ لاتی ہے۔

عقیدہ اور عقیدت دونوں درست رکھیں

اس لئے میں آپ سے کہتا ہوں عقیدہ بھی ٹھیک رکھیں، اور عقیدت بھی ٹھیک رکھیں۔ ان دونوں میں آج کل افراط و تفریط ہے اپنی تصانیف میں، میں نے الحمدللہ اس بات کی کوشش کی ہے کہ لوگ افراط و تفریط سے بچ جائیں۔ وہ کتابیں آپ لوگ ضرور لے جایا کریں ان میں سے ایک کتاب ''ذکر اللہ کے فضائل و مسائل'' ہے، ایک کتاب ''عقیدہ اور عقیدت'' ہے، اسی طرح

''آئینہ ایمان'' ہے۔ ان سب کتابوں میں یہ مضامین موجود ہیں اور ان تصانیف سے آپ کو افراط اور تفریط سے پاک عقیدہ ملے گا جس سے آپ اعتدال کے ساتھ دین پر چل سکیں گے۔ بہر حال! اس وقت میں نے نئی نئی ''عقیدہ اور عقیدت'' لکھی تھی جب انسان نئی نئی کوئی کتاب لکھتا ہے تو اس وقت بہت ساری باتیں اس کے ذہن میں موجود ہوتی ہیں اس لئے اس وقت مجھے کچھ باتیں یاد تھیں میں نے ان سے کہا کہ میں آپ سے یہ بات پوچھنا چاہتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ کی محبت مطلوب ہے یا نہیں؟ اس نے کہا مطلوب ہے۔ میں نے کہا اگر نبی کریم ﷺ کی محبت مطلوب ہے تو میں آپ سے ایک اور سوال پوچھتا ہوں کہ اگر مثلاً آپ کے لڑکے کا ۱۰ برس پہلے انتقال ہوگیا ہے۔ پھر ۱۰ برس بعد آپ اور آپ کی اہلیہ نے کوئی صندوق کھولا جس کے اندر سے اس کے کپڑے نکل آئے، کپڑے سامنے آنے پر تم دونوں (میاں بیوی) رو پڑے کیا اس طرح کا واقعہ آپ کے ساتھ پیش آئے تو روؤ گے؟ اس نے کہا روئیں گے۔ میں نے کہا اب کیوں روتے ہو؟ حالانکہ وہ آج نہیں مرا ہے بلکہ ۱۰ برس پہلے مرا ہے تو آج رونے کے کیا معنیٰ؟ تو اس نے کہا کہ ابھی ہمیں یاد آگیا ہے۔ میں نے کہا کہ محبت کی چنگاری بھڑک گئی ہے، جذبات ابھر گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہی چیز (علامت کو دیکھ کر صاحبِ علامت کو یاد کرنا) محبت کو ابھارتی ہے۔ نیز میں نے انہیں بتایا کہ نبی کریم ﷺ کے ناخن مبارک صحابہ کرام ﷺ نے محفوظ کیے تھے اور آپ ﷺ کے سامنے محفوظ کیے تھے۔ آپ حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کریں، دیکھیں اس میں موجود ہے [1] یہ

---

[1] عَنْ عبدِاللّٰہ بن زَیْدٍ وَھُوَصاحِبُ الاذانِ انَّہُ شَھِدَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلم عِنْدَ الْمَنْحَرِوَرَجُلٌ مِنْ قُرَیْشٍ وَھُوَیَقْسِمُ اَضَاحِیَ فَلَمْ یُصِبْہُ شَیءٌ ولا صَاحِبَہُ، فَحَلَقَ رسول اللّٰہ ﷺ رأسَہُ فِی ثَوْبِہ فاعْطاہُ مِنْہُ وقَسَمَ مِنْہُ علی رِجالٍ وَقَلَّمَ اَظْفَارَہُ فاعْطٰی صَاحِبَہُ قال وَاِنَّ شَعَرَہُ عِندنالَمخضُوبٌ بالحِنّاءِ وَالکَتَمِ: اخرجه نَیْلُ الاَوْطَارِ ج ۱ باب فی ان الآدمی لاینجس بالموت الخ.

باتیں نیز صحابہ کرام ﷺ نے نبی کریم ﷺ کے بالوں کو محفوظ کیا تھا۔ [۱] بلکہ صحابہ کرام ﷺ تو جب نبی کریم ﷺ وضو فرماتے تھے بخاری شریف میں روایت موجود ہے کہ صحابہ کرام ﷺ آپ ﷺ کا مستعمل پانی زمین پر گرنے نہیں دیتے، جس کو کوئی قطرہ ملتا وہ جسم پر مل لیتے، کسی کو اگر کوئی قطرہ نہ ملتا تو وہ دوسرے شخص جس کے ہاتھوں آپ ﷺ کے پانی کی تری لگی ہوئی ہوتی اس کی تری سے خود کو مل لیتے۔ [۲] نیز حج کے موقع پر یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خود اپنے بال مبارک ایک صحابی کو دیے اور فرمایا کہ اس کو صحابہ کرام ﷺ میں تقسیم کر دو! دیکھیں آپ ﷺ نے مال و دولت کو تقسیم نہیں فرمایا بلکہ اپنے بال مبارک تقسیم فرمائے [۳] صحابہ کرام ﷺ اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ

---

[۱] عَنْ عثمٰن بن عَبْدِاللّٰه بنِ مَوْهَبٍ قال دَخَلْتُ علٰى اُمِّ سلمة فَاخرجت اِلَيْناشَعراً مِن شَعرِ النبی ﷺ مَخْضُوبًا وقال لَنَا ابونُعَيم حَدَّثَنَا نصيربن الْاَشعَثُ عَن ابن مَوْهب اَن اُمَّ سلمة اَرَتْه شَعرالنبی ﷺ اَحْمَرَ. رواه البخاری ج ۲ صـ ۸۷۵ كتاب اللباس باب مايُذْكرفي الشَّيب.

[۲] عَنْ عَوْنِ بنِ ابی جُحَيْفه آن اَباهُ رَاٰی رَسُوْلَ اللّٰه ﷺ فِی قُبةٍ حَمْراً مِن اَدَمٍ ورايتُ بِلَالًا اَخرَجَ وَضُوءٍ فَرايتُ النَّاسَ يبتَدِرُوْن ذٰلک الوَضُوْفمن اَصَاب مِنْهُ شيئًاتَمسح به ومن لَمْ يُصِب مِنْه اَخَذَمِن بَلَلِ يَدِ صَاحبه ثُم رَايتُ بلالًااخرج عَنَزةً فركزهَافَخَرج رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ فِی حلةٍ حَمْراءِ مشمراً فَصلّٰى الى العَنَزَةِ بالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ ورايتُ الناس والدَّواب يمرون بَيْن يدى العنزة.

رواه مسلم ج ۱ صـ ۱۹۶ كتاب الصلوٰة باب سترة المصلی والندب الی الصلوٰة الی السترة وفی روايةٍ قَالَ اَبُومُوسٰی دعاالنبی ﷺ بِقَدحٍ فِيْه مآءٌ فَغَسَل يَدَيْه وَوَجهه فِيْه وَمجَّ فِيْه ثمَّ قَال لَهُما اِشْرِبامِنْه وافرغاعلٰى وُجُوهِكُما ونُحورِكما. رواه البخاری ج ۱ صـ ۳۱ كتاب الوضوٗ باب استعمال فضل وضوٗ الناس

[۳] عن انس ﷺ ان رسول اللّٰه ﷺ رمٰی جمرة العقبة يوم النحرثم رجع الٰی منزله بمنٰی فَدَعا بذبح فَذَبح ثُمّ دَعا بِالحَلاق (اسمه معمرابن عبداللّٰه العدوی) فَاخذَبشقِ رَاسِهِ الْاَيمنِ فَحلَقَه فَجَعل يقسم بَيْن مَن يَلِيْهِ الشَّعْرة والشعرتين ثمَّ اَخَذبشقِ رَاسِهِ الايسرِ فَحلَقه ثُم قَالَ هَهُنا ابوطَلحة فَدَفعهُ اِلٰى ابی طَلْحة. رواه ابوداؤد ج ۱ صـ ۲۷۲ كتاب المناسك باب الحلق والتقصير.

فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے پاس اگر حضور ﷺ کا ایک ہی بال ہو وہ ہمیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ [۱]
تو نبی کریم ﷺ نے ان بالوں کو کیوں تقسیم فرمایا؟ بالآخر اس (کیبن والے عرب ساتھی) کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ واقعی آثار بڑے اہم ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ آثار بدعات نہیں ہوتے۔ قرآن مجید میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے وقت کے نبی کے ذریعے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا، امیر اور کمانڈر مقرر کیا بنی اسرائیل کے لئے تاکہ وہ ان کے ماتحت اللہ کے دشمنوں سے لڑیں۔ تو بنی اسرائیل نے وقت کے نبی سے تابوت کی نشانی مانگی۔ تو اس وقت کے نبی نے انہیں بتایا کہ وہ تابوت جو جنگ میں تم سے دوسرے فریق کی طرف چلا گیا تھا اسے فرشتے لا کر تمہیں دے دیں گے اس تابوت کے اندر آل موسیٰ علیہ السلام کے تبرکات ہیں (عصا، پگڑی اور دوسری چیزیں) ان تبرکات میں تمہارے لئے سکینہ ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (البقرہ: ۲۴۸)

''جس میں تسکین (اور برکت) کی چیز ہے تمہارے رب کی طرف سے)۔''

(بیان القرآن)

بہر حال! وہ ساتھی بہت خوش ہو گیا، میرے ساتھ دوستی لگائی اور انہوں نے غار حرا کی طرف میری رہنمائی کی جب میں غار مبارک میں پہنچا تو دیکھا کہ ایک جگہ عربی میں لکھا ہوا تھا ''لَاتَجُوْزُ الصَّلٰوةُ'' (یہاں نماز پڑھنی جائز نہیں ہے۔) کسی نے ''لا'' کو کاٹ دیا تھا جس سے ترجمہ یوں ہوا تھا کہ یہاں نماز پڑھنی جائز ہے۔ پھر جب غار مبارک کے اندر گیا تو میں نے نفل

---

[۱] عن ابن سيرين قال قلتُ لِعبيْدةَ عِنْدنا من شَعر النبي ﷺ اَصَبْنَاه من قِبَل اَنس اَوْمن قِبَل اهل انس فقال لَاَنْ تكون عندي شعرةٌ منه اَحَبُّ الَّي من الدنيا وما فيها . رواه البخاري ج ۱ صـ ۲۹ كتاب الوضوء باب المآء الذي يُغْسَلُ به شعر الانسان.

پڑھے سامنے حرم شریف تھا (اب تو وہاں آبادی ہوگئی ہے اس وقت آبادی اتنی زیادہ نہیں تھی اس لئے حرم شریف کے مینار وغیرہ زیادہ نظر آرہے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تو صرف بیت اللہ ہی نظر آتا تھا۔غرض یہ کہ بڑا سکون محسوس ہوا جب میں اوپر آیا تو میں نے ان (کیبن والے ساتھی) سے عرض کیا کہ یہاں پر آپ لوگوں نے لکھا ہے کہ یہاں نماز پڑھنی جائز نہیں ہے اور کسی نر کے بچے نے ''لا'' کو کاٹ دیا ہے، یہ آپ لوگوں نے کیوں لکھا ہے؟ اس نے کہا: ''نماز تو جائز نہیں ہے یہاں پر''میں نے پوچھا: کیوں جائز نہیں ہے؟ حالانکہ چند مقامات (ایسے ہیں) جہاں شرعاً نماز جائز نہیں ہے جن میں سے ایک قبرستان ہے کیوں کہ قبرستان کے اندر نماز پڑھنے میں یہ اشتباہ ہے کہ یہ شرک میں مبتلا نہ ہو قبر کو سجدہ نہ کرڈالے اس لیے مقبرے میں نماز جائز نہیں ہے۔ اسی طرح حمام میں نماز جائز نہیں ہے نیز ہر وہ جگہ جہاں گندگی ہو پھر اذان ہو وہاں نماز جائز نہیں ہے تو یہ غار حرا ان مذکورہ مقامات میں سے کونسا مقام ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ غار حرا ان ممنوعہ جگہوں میں سے ہے ہی نہیں تو۔ یہاں تو نماز پڑھنی جائز ہے۔اس نے کہا کہ پھر اس سے تو لوگ یہ کہیں گے کہ (یہاں) نبی کریم ﷺ نے عبادت کی ہے یا نماز پڑھی ہے چلو ہم بھی پڑھ لیں۔ میں نے کہا کہ یہ تو اور بھی اچھی بات ہے اس میں کیا قباحت ہے حج کے مقامات کو دیکھئے وہ سارے کے سارے تبرکات ہی تو ہیں۔ حج میں اور ہے ہی کیا چیز؟ صفا و مروہ میں دوڑنا یہ ہماری ماں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا دوڑنا ہے، اسی طرح ذبح کرنے کی کنکریاں مارنے کی، اور وقوف عرفات کی غرض یہ کہ ان تمام ارکان میں سے ہر ایک کی ایک تاریخ ہے اور یہ سب آثار ہی ہیں۔ایماندا روں کو ان سب ارکان سے توحید ہی ملتی ہے، وہ سوچے گا ہمارے اسلاف کیسے اللہ کے راستے میں دوڑے مال کی قربانی دی، بیٹے کی قربانی دی، یہ ساری چیزیں ہمارے لئے نمونہ ہیں، تو یہ آثار تو سارے توحید سے بھرے ہوئے ہیں، حج ہے ہی آثار (پر مشتمل)

اللہ تعالیٰ جل جلالہ خود ارشاد فرماتے ہیں:

فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ (آل عمران: ۹۷)

''اس میں کھلی نشانیاں ہیں۔'' (بیان القرآن)

باقی نماز پڑھنے سے متعلق (قرآن کریم میں یوں) تصریح ہے:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى (البقرہ : ۱۲۵)

''اور مقام ابراہیم کو (کبھی کبھی) نماز پڑھنے کی جگہ بنالیا کرو۔'' (بیان القرآن)

مقام ابراہیم کو ہی کیوں خاص کیا اللہ تعالیٰ نے بلکہ اللہ یوں فرماتے کہ بیت اللہ کو پکڑو (مقام ابراہیم وغیرہ کو رہنے دو کیوں شرک کرتے ہو) لیکن (اللہ نے ایسا نہیں فرمایا بلکہ مقام ابراہیم کو جائے نماز بنانے کا حکم دیا کیوں کہ) یہ اس مقام کی خاصیت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہ جگہ بنائی ہے، وہاں نماز پڑھی ہے۔ پھر (یہ بھی ملحوظ نظر رہنا چاہئے کہ) نبی کریم ﷺ کے پاس ایک صحابی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آکر عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! میں اپنے گھر کے اندر نماز کی ایک جگہ بناتا ہوں (یہ بھی سنت ہے کہ گھر کے اندر نوافل وغیرہ کی جگہ ہو پہلے زمانے میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ گھروں میں لوگ جگہ بناتے تھے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے چلا آرہا ہے) اس صحابی نے عرض کیا کہ میں اپنے گھر کے اندر ایک جگہ نماز کے لئے مخصوص کرتا ہوں آپ وہاں تشریف لاکر نفل پڑھ لیں تاکہ میرے لئے برکت کا ذریعہ ہو جائے۔ آپ ﷺ ان صحابی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف لے گئے ان کے گھر میں (وہاں ان کے گھر پہنچ کر) آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ آپ کہاں نماز کی جگہ بنانا چاہتے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: (ایک کونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ) یہاں، چنانچہ آپ ﷺ اس کونے میں تشریف لے گئے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں موجود تھے تو انہوں نے آپ ﷺ کی اقتداء مبارک میں وہاں (نفل) نماز پڑھی، نماز کے بعد آپ ﷺ نے وہاں دعا فرمائی۔ پھر اسی جگہ کو ان صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنی نماز کے لئے مخصوص فرمایا۔ اب اگر یہ چیز ناجائز ہوتی، بدعت ہوتی تو نبی کریم ﷺ ان صحابی رضی اللہ عنہ کو بتلا دیتے کہ یہ تو ناجائز ہے (کہ میں ایک جگہ نماز پڑھوں پھر اس جگہ آپ حصول برکت کی نیت سے نماز پڑھتے رہیں، بلکہ آپ ﷺ انہیں فرمادیتے کہ) جاؤ! پڑھتے رہو جہاں پڑھنا چاہتے

ہو (برکت وغیرہ کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے لیکن آپ ﷺ نے ایسا فرمادینے کی بجائے ان کی دعوت کو قبول فرمایا اور ان کی خواہش کے عین مطابق آپ ﷺ نے ان کے گھر میں نماز پڑھی لے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آثار رسول ﷺ باعث برکت ورحمت ونجات ہیں) حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے مبارک پسینے کو جمع کر رہی تھی، جب نبی کریم ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم میرا پسینہ کیوں جمع کرتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم اس کو اپنے عطر میں ملاتے ہیں اس سے اپنے عطر کو خوشبودار کرتے ہیں اور برکت حاصل کرنے کے لئے اپنے بچوں کو ملتے ہیں۔ ۲ (آپ ﷺ نے ان باتوں کو سن کر سکوت فرمایا حالانکہ اگر یہ شرک

لے عَنْ ابن شهاب قَالَ اَخْبَرنى مُحّدبن الرَّبيْع الْاَنصَارِى اَنّ عِتبانَ بن مَالِک وَهُوَمِن اَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مِمَّنْ شَهِدَ بدرًا مِّن الانصار انه اتى رسولَ اللّٰه ﷺ فقَال يَارَسُولَ اللّٰهِ قدانكرتُ بَصَرى وَانَااُصَلّى لِقَوْمِى فاذاكانتِ الامطارسَال الوَادِى الَّذِى بَيْنِى وَبَيْنَهم لم اَسْتَطِعْ اَنْ اتِى مسجدَهُمْ فاصلّى بِهِمْ وَوددتُ يارسول اللّٰه انک تاتِيْنى فتصلّى فى بيتى فاتخذه مُصَلّى قَالَ فَقَال لَهُ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ سافعلُ اِن شآء اللّٰهُ تعالىٰ قَال عِتبانُ فَغَداعلىَّ رَسُول اللّٰه ﷺ وابوبكرحِيْن اِرْتفع النهارُ فَاسْتَاذَنَ رسول اللّٰه ﷺ فَاذِنْتُ لَه فلَم يجلِسْ حِيْن دَخلَ الْبيتَ ثُمَّ قَالَ اَيْن تُحِبُّ ان اُصَلِّىَ مِن بيتِکَ قَال فاشرتُ له الى ناحيةٍ من البَيْتِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فكَبَّر فقُمْنا فصلّى رَكْعَتين ثُمَّ سَلَّم الخ (حدیث شریف طویل ہے) رواه البخارى ج ۱ ص ۶۰ كتاب الصلوٰة باب المساجد فى البيوت.

۲ عن انس بن مالک قال كان النبى ﷺ يدخل بيت ام سليم فينام على فراشها وليست فيه قال فجاء ذات يوم فنام على فراشهافاتت فقيل لها هذاالنبى ﷺ نائم فى بيتک على فراشک قال فجاء ت وقد عَرِق و استنقع عرقه على قطعة اديم على الفراش ففتَحت عتيدتها فجعلت تنشفُ ذلک العرق فتعصره فى قوارير ها ففزع النبى ﷺ فقال ماتصنعين ياام سليم فقالت يارسول اللّٰه نرجو بركته لصبياننا قال اَصبت. وفى رواية عن انس بن مالک قال دخل علينا النبى ﷺ فقال عندنا فعرق وجاء ت امى بقارورة فجعلت تَسْلُت العرق فيها فاستيقظ النبى ﷺ فقال ياام سليم ماهذاالذى تصنعين قالت هذاعرقک نجعله فى طيبنا وهومن اطيب الطيب.

رواه مسلم ج ۲ ص ۲۵۷ كتاب الفضائل باب طيب عرقة النبى ﷺ والتبرک به

ہوتا تو آپ ﷺ کبھی بھی سکوت نہ فرماتے بلکہ غایت درجے نکیر وملامت فرماتے جبکہ آپ ﷺ نے ان پر کوئی نکیر نہ فرمائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آثار رسول ﷺ عقیدے کے اعتدال کے ساتھ باعث برکت ہیں) بہر حال میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ آپ حضرات نبی کریم ﷺ کی محبت کو بڑھانے کی کوشش کریں کیوں کہ جتنی آپ ﷺ سے محبت بڑھے گی اتنے تم اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے قریب ہوجاؤ گے، رسول اللہ ﷺ کی اتباع نصیب ہوجائے گی۔ البتہ اتنا ہے کہ آثار وغیرہ جیسی چیزوں کی پرستش نہ کی جائے (جیسا کہ بعض جاہل اور معاند قسم کے لوگ کرتے ہیں) ان چیزوں (آثار) سے یہ امید نہ رکھیں کہ یہ (آثار) نفع دیں گے، بلکہ نفع دینے اور نقصان دینے والے صرف اللہ تعالیٰ ہیں البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین نے نبی کریم ﷺ کو ایسا (باکمال اور جامع اوصاف محاسن) بنایا تھا (کیوں کہ قاعدہ ہے کہ) جو آدمی اچھا عطر بناتا ہے اس کے لئے شیشی بھی اچھی بناتا ہے۔ غرض یہ کہ نبی کریم ﷺ کی ہر چیز متبرک ہے۔

مبارَک اور مبارِک کا فرق یاد رکھیں!

ایک ہے برکت دینے والا اور ایک ہے مبارک (یعنی برکت دیا گیا، بابرکت) دونوں میں فرق ہے۔

مبارِک: یعنی برکت دینے والا اللہ تعالیٰ ہیں۔

مبارَک: وہ چیزیں ہیں جنہیں برکت دی گئی ہیں یعنی بابرکت چیزیں، گویا کہ مبارِک خالق ہے اور مبارک مخلوق ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔

بِبَكَّةَ مُبَارَكًا (آل عمران: ۹۶)

"(اللہ تعالیٰ بیت اللہ شریف سے متعلق فرماتے ہیں کہ) وہ مکہ میں ہے جس کی حالت یہ ہے کہ وہ برکت والا ہے۔" (بیان القرآن)

اگر کوئی آدمی کسی چیز کو کہے کہ یہ برکت دینے والی ہے تو یہ شرک ہے اور کہنے والا مبتلائے

شرک ہے۔اور اگر یوں کہے کہ اس چیز کو اللہ تعالیٰ نے برکت دی ہے اور یہ مبارک ہے (تو اس میں کوئی قباحت کی بات نہیں ہے، کیوں کہ بے شمار چیزیں ایسی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے برکت دی ہے اس لحاظ سے کئی ساری چیزیں مبارک بنتی ہیں مثلاً جیسے) عید مبارک وغیرہ۔

دوسری مجلس

دوامِ عمل کی برکتیں

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الكريم امابعد:

نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث شریفہ کا مفہوم ہے:

''اچھا عمل وہ ہے جس پر دوام کیا جائے۔''

اس مضمون کو نبی کریم ﷺ نے مختلف طریقوں سے مختلف انداز سے بیان فرمایا ہے۔ کبھی فرمایا:

''اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلیٰ اللّٰهِ اَدْوَمُهاوَاِنْ قَلَّ ''۔[1]

''بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین اعمال وہ ہیں جو ہمیشگی والے کام ہوں۔''

(بخاری ومسلم)

کبھی فرمایا: خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَدْوَمُهَا [2] ''بہترین کام ہمیشگی والا کام ہے۔''

کبھی فرمایا:

خَیْرُ الاَعْمَالِ مَادِیْمَ عَلَیْهَا [3]

''اچھا عمل وہ ہے جس پر ہمیشگی کی جائے۔''

---

[1] اخرجه مسلم ج ١ صـ٢٦٦ كتاب صلوٰة المسافرين ۔ باب فضيلة العمل الدائم ۔ وبخاری ج٢ صـ٩٥٧ كتاب الرقاق باب القصدو المداومة على العمل.

[2] اخرجه البخاری ج٢ ص٩٥٧ باب القصد والمداومة على العمل (اسی طرح ایک اور روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ نبی کریم ﷺ کا عمل کس طرح تھا آیا کوئی خاص دنوں کیساتھ مخصوص تھا؟ تو فرمایا لَاکَانَ عَمَلُه دِیْمَةً وایُکم یستطیع ما کان النبیُّ ﷺ یَسْتَطِیْعُ.)

[3] اخرجه اتحاف ج٨: صـ٥٨٠

اس طرح کئی جگہ مختلف انداز سے نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہ ترغیب دی ہے کہ جو اعمال ہم کریں تو ان اعمال کو دوام یعنی ہمیشگی کے ساتھ کریں۔ (یہ نہ ہو کہ کبھی کریں اور کبھی نہ کریں بلکہ روزانہ پابندی کے ساتھ کریں)

بعض اعمال پر آپ ﷺ کی مداومت نہ فرمانے کی حکمت

نبی کریم ﷺ نے بعض اعمال خود دوام کے ساتھ نہیں کیے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ ان اعمال پر مداومت فرماتے تو وہ امت کے لئے قانون بن جاتا جس پر عمل کرنا امت کے لئے واجب ہو جاتا اور اس سے امت پر مشقت آتی۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے تین دن تراویح پڑھی ہے کہ اگر میں اس پر مداومت کروں تو یہ امت پر واجب ہو جائے گی۔ اس طرح کئی اعمال نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ ادا فرمائے ہیں اور امت کو یہ ترغیب دی ہے کہ یہ کرنے کی چیز ہے لیکن خود آپ ﷺ نے مداومت نہیں فرمائی۔ اس لیے کہ آپ ﷺ امت کو مشقت سے بچاتے تھے کہ کہیں یہ عمل امت پر واجب نہ ہو جائے۔ اس لیے بعض اعمال پر آپ ﷺ کے مداومت نہ فرمانے سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کرنا چاہیے کہ چونکہ اس عمل پر آپ ﷺ سے مداومت ثابت نہیں ہے اس لیے اس پر مداومت کرنا اچھی بات نہیں۔ (یہ نتیجہ خذ اکرنا غلط ہے) کیوں کہ اگر آپ ﷺ ان اعمال پر بھی دوام فرما دیتے تو امت پر وہ تمام اعمال واجب ہو جاتے۔ دوام عمل کی بڑی برکتیں ہیں۔

(حضرت والا کا یہ بیان فجر کی نماز کے بعد ہوا تھا چونکہ فجر میں عام طور سے نیند کا غلبہ ہوتا ہے اس لیے کچھ ساتھیوں کو سوتا دیکھ کر حضرت والا نے زور سے فرمایا کہ ''جاگ جاؤ! ساتھ ہی ایک لطیفہ بھی سنایا جس سے مجمع ہشاش ہوا اور سستی جاتی رہی۔ ذیل میں وہ لطیفہ نقل کر دیا جاتا ہے جس میں اس وقت کی مناسبت سے مزاح بھی موجود تھا اور ایک اہم سبق بھی موجود تھا کہ کام کے وقت سونے والوں کا عموماً نقصان ہو جاتا ہے یہ لطیفہ غالباً پشتو زبان کی کسی کہاوت کا پس منظر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ''سونے والوں کے نر کٹے ہوتے ہیں۔'')

لطیفہ: ''سونے والوں کے نر کٹے ہوتے ہیں۔''

دوعورتیں تھیں دونوں کی ایک ایک بھینس تھی اور اللہ کی شان دونوں بھینسیں بچہ جننے والی تھیں۔ اب بھینس والوں کے ہاں یہ ترتیب ہے کہ مادہ یعنی کٹی کو زیادہ پسند کرتے ہیں بنسبت نر کٹے کے۔ کیوں کہ مادہ سے اور بچے ہوتے ہیں اسی طرح وہ دودھ بھی دیتی ہے۔ اس لیے (ان فوائد کے پیش نظر) کٹی یعنی مادہ کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔

بہرحال ان دونوں عورتوں میں سے ایک عورت سورہی تھی اب اللہ کی شان کہ جو عورت سورہی تھی اس کی بھینس نے مادہ یعنی کٹی کو جنا اور جو جاگ رہی تھی اس کی بھینس نے نر کٹا جنا۔ چوں کہ بھینس والے مادہ کو پسند کرتے ہیں اس لیے اس عورت نے جلدی سے اپنا کٹا سونے والی عورت کی بھینس کی طرف کیا اور کٹی یعنی مادہ کو اپنی طرف کردیا۔ جب صبح ہوئی تو وہ سونے والی عورت بھی جاگ اٹھی جاگنے کے بعد دیکھا کہ اس کی بھینس کے پاس کٹا کھڑا ہوا ہے یعنی نر بہت پریشان ہوئی چنانچہ اس دوسری عورت کے پاس گئی دیکھا تو اس کے ہاں مادہ بچی کھڑی ہے افسوس کے ساتھ ان سے کہنے لگی کہ ہائے بہن! تمہارے ہاں کٹی ہوگئی ہے میرے ہاں تو کٹا ہے تو وہ عورت کہنے لگی کہ ہاں بہن! ''سونے والوں کے نر کٹے ہوتے ہیں۔'' (مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اس وقت نہ سوتی تو کٹی اسے مل جاتی کیوں کہ اس کی بھینس نے تو کٹی ہی کو جنا تھا مگر اس کے سونے کا نقصان یہ ہوا کہ وہ دوسری عورت شرارت کرگئی تو سونے کا بہرحال نقصان ہی ہوا)

پھر حضرت والا نے ارشاد فرمایا: سونا صرف راحت اور نشاط کے لیے ہوتا ہے تاکہ عبادت میں قوت پیدا ہو۔ سونا سونے کے لیے نہیں ہوتا۔ بہرحال دوام عمل کی بڑی برکات ہیں۔

دوام عمل سے نتائج برآمد ہوتے ہیں

دوام عمل سے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ کبھی عمل ہو کبھی نہ ہو اس کا نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ میں

نے حضرت شیخ (مراد قطب الاقطاب، ریحانۃ الدہر، شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ ہیں) کو خط میں اپنے حالات لکھے۔ کئی خطوط میں نے حضرت کو بھیج دیے تھے۔ سارے خطوط (خلافت) اجازت ملنے کے بعد ہی لکھے ہیں۔ اس سے پہلے میں نے خط نہیں لکھا چونکہ حضرت شیخ نے مجھے اجازت جلدی دی تھی اس لیے پہلے خط کا موقع ہی نہ ملا۔ حضرت مجھے بار بار خط (کے جواب) میں یہ لکھتے تھے کہ:

''معمولات پر پابندی سے خوشی ہوئی اور معمولات پر پابندی (کرنا) ترقی کا زینہ ہے۔''

میں نے بار بار درخواست بھی کی کہ مزید ذکر دیا جائے۔ حضرت شیخ نے فرمایا نہیں: اتنا ہی کافی ہے (یعنی صرف ۳ مسنون تسبیحات) حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ زیادہ لمبے اذکار کے قائل نہ تھے کہ آدمی اتنا وظیفہ کرے اتنا ذکر کرے بلکہ حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کی خواہش ہوتی تھی کہ بس آدمی ٹھیک چلے بس اتنا ہی کافی ہے یہ نہیں کہ خواہ مخواہ لمبے لمبے وظیفے کرے۔

مجھے مسنون تسبیحات بتائیں تھیں۔ وہ میں ۳۰۰ مرتبہ (ہر تسبیح ۳۰۰ مرتبہ) کرلیا کرتا تھا۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ بس یہی ٹھیک ہے۔ بہر حال میں یہ عرض کررہا تھا کہ حضرت نے مجھے بار بار لکھا کہ:

''معمولات پر پابندی ترقی کا زینہ ہے۔''

یاد رکھیں! یہاں (کربوغہ شریف، خانقاہ دارالایمان والتقویٰ اور جامعہ زکریا میں) جو اعمال رمضان المبارک میں ہوتے ہیں، رمضان کے بعد بھی یہاں یہی اعمال ہوتے ہیں۔ یہی صلوٰۃ التسبیح (اور دیگر اعمال مثل اشراق، وچاشت، تہجد، اوابین کے اس طرح، سورۃ یاسین وسورہ ملک کا اہتمام نیز درود شریف کا حلقہ اور اسمائے حسنیٰ کا ذکر نیز دوازدہ تسبیحات کا تفصیلی انفرادی ذکر اور اجتماعی تعلیمات کا اہتمام ہوتا ہے) رمضان کے علاوہ بھی ہوتی ہے۔ خانقاہ میں صلوٰۃ التسبیح لازم ہے۔ لازم کا مطلب یہ نہیں کہ شرعی لازم ہے بلکہ لازم سے مراد لزوم انتظامی ہے تاکہ عادت بن جائے نیک کاموں کی اور اچھے کاموں کی۔ یہاں خانقاہ میں ان اعمال پر پابندی

کروانے کا مقصود یہ ہے کہ (عام طور پر) چالیس دن جب ایک عمل پر انسان کو دوام عمل مل جاتا ہے تو آگے جا کر وہ شخص اپنے ماحول میں بھی اس عمل کو کر سکے گا۔ اس لیے یہاں ایسے اعمال کرائے جاتے ہیں جو (عام طور پر) آدمی ہر جگہ کر سکتا ہے۔

دوامِ عمل سے استقامت نصیب ہوتی ہے

دوامِ عمل سے انسان کے اندر استقامت پیدا ہوتی ہے۔ کیوں کہ انسان کے اوپر مختلف قسم کے حالات آتے ہیں کبھی دل چاہتا ہے کہ نیک عمل کروں اور کبھی دل نہیں چاہتا، تو اگر عمل پر دوام ہوگا تو انسان ہر حال میں عمل کرے گا خواہ دل چاہے یا نہ چاہے اسی کا نام استقامت ہے استقامت بڑی دولت ہے، کرامت استقامت کے پاؤں میں پڑی ہوئی ہے۔ مشائخ فرماتے ہیں:

اَلِاسۡتِقَامَۃُ فَوۡقَ الۡکَرَامَۃِ

''استقامت (باعتبار قدر و قیمت اور فوائد کے) کرامت سے بڑھ کر ہے۔''

دوامِ عمل کے فائدے کی دو حسی مثالیں

اگر استقامت حاصل ہوگئی تو بڑی چیز حاصل ہوگئی، کیا آپ نے دیکھا نہیں ہے کہ مثلاً ایک علاقہ ہے جس پر روزانہ کچھ نہ کچھ شبنم گرتی ہے، کبھی کبھی بارش بھی ہوتی رہتی ہے تو اس علاقے کی فصل اچھی ہوتی ہے (اس کے برخلاف) اگر کسی علاقے میں دفعۃً بہت ساری بارش ہو جائے اور پھر اس کے بعد پورے سال بالکل بھی بارش نہ ہو تو اس طرح سے فصل تیار نہ ہوگی بلکہ خراب ہوگی۔

ایک عام غلط فہمی کا ازالہ

اس طرح اگر کسی شخص نے ایک دن لاکھوں کی تعداد میں ذکر کیا یعنی سال بھر کا ذکر ایک ہی دن میں کر ڈالا اور پھر پورا سال غافل رہا تو ایسا شخص غافل ہی رہے گا اس کے بجائے اگر وہ شخص اس ذکر کو سال بھر پر تقسیم کر ڈالے اور روزانہ (مثلاً) صرف چند مرتبہ ہی لفظ اللہ کا ذکر کر کے یا

لا الہ الا اللہ کا ورد کرے تو اس کا فائدہ پہلے سے زیادہ ہوگا۔غرض یہ کہ اس طرح کرنے سے فائدہ زیادہ ہوگا۔ اس میں کبھی کبھی آدمی کو مغالطہ ہوجاتا ہے (کہ مثلاً روزانہ عمل کا مزہ نہیں آتا تو اس سے وہ یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ شاید فائدہ بھی نہ ہو حالانکہ بات ایسی نہیں ہے) میرے ایک ساتھی نے مجھے بتایا ہے کہ میں روزانہ تہجد نہیں پڑھتا، اسی طرح ذکر بھی روزانہ نہیں کرتا اور دیگر نوافل وغیرہ کا بھی یہی حال ہے کہ روزانہ نہیں بلکہ کبھی کبھی پڑھتا ہوں اور ساتھ یہ بھی بتایا کہ ایسا اس لیے کرتا ہوں کہ کبھی کبھی کا جو مزہ ہوتا ہے وہ روز روز نہیں ہوتا۔ (اصولاً تو اگر چہ یہ بات غلط ہے لیکن بظاہر) یہ بات صحیح بھی ہے کہ کبھی کا مزہ ہوتا ہے جیسے گوشت کبھی کبھی کھائیں تو مزہ ہوتا ہے روز روز کھائیں تو مزہ تو درکنار آدمی اکتا جاتا ہے۔ ہمارے ساتھی کو مغالطہ تھا کہ یہ اعمال کا کبھی کبھی کرنا شاید اچھی بات ہے، حالانکہ یہ غلط ہے۔مثلاً آپ نے دیکھا ہوگا کہ مکمل اندھیرا ہے پھر ایک دم روشنی ہوجائے تو انسان کو ایک گونہ خوشی ہوتی ہے۔ پھر وہ روشنی برقرار رہے تو کیا خوشی بھی بار بار ہوگی نہیں بلکہ ایک بار ہی خوشی ہوگی پہلی مرتبہ میں یہ بات آپ کو کئی چیزوں میں نظر آئے گی کہ مثلاً پہلی مرتبہ تو خوشی ہوتی ہے پھر بار بار نہیں ہوتی (بلکہ وہی خوشی برقرار رہتی ہے بس اس کا احساس پہلے جیسا نہیں رہتا) آپ عطر کو دیکھیں اچھے سے اچھا عطر ہوتا ہے آدمی جب لگاتا ہے تو لگاتے ہی خوشبو (کے بھنجو کے) محسوس ہوتے ہیں لیکن اگلے ہی لمحے اس میں بتدریج کمی آنا شروع ہوجاتی ہے یہاں تک کہ وہ خوشبو نہ ہونے کے برابر ہوجاتی ہے حالانکہ خوشبو موجود ہوتی ہے لیکن اس کا احساس ختم ہوجاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اس چیز کا عادی بن جاتا ہے۔تو اس کے مزے کا اس کو احساس نہیں ہوتا لہٰذا تہجد وغیرہ اور دیگر اعمال کو کبھی کبھی کر لینے میں جو مزہ آتا ہے وہ مزہ ہمیشہ ان اعمال کو کرتے رہنے میں بھی ہوتا ہے لیکن دوام کی وجہ سے وہ مزا محسوس نہیں ہوتا۔

دوام عمل غیر محسوس طور پر اثر کرتا ہے

عمل پر مداومت غیر محسوس طور پر اثر کرتی ہے ایک نل کے نیچے پتھر ہوتا ہے اس پر نل سے

ہمیشہ ایک ایک قطرہ ٹپکتا ہے اس پر ان قطروں کا غیر محسوس طور پر اثر ہوتا ہے جو بظاہر نظر نہیں آتا لیکن کچھ عرصہ کے بعد پتھر میں نشان پڑ جائے گا اگر ان تمام قطرات کو جمع کیا جائے اور اس پتھر پر یکبار کی گرایا جائے تو اس پر کوئی نشان نہ ہوگا اسی طرح دوامِ عمل کا اثر بہت گہرا ہوتا ہے۔ بہر حال! دوامِ عمل کا آپ اہتمام کریں۔

دوامِ عمل کو حاصل کرنے کا طریقہ

آپ اہتمام کیسے کریں گے یہ آپ شریعت کے اصولوں سے سبق سیکھیں۔ مثلاً شریعت میں جو چیز فرض ہے (جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ) اگر وہ رہ جائے تو پھر کیا کیا جاتا ہے؟ قضا کی جاتی ہے (مثلاً نماز رہ گئی تو اگلے وقت اس کی قضا کر دی جاتی ہے) اسی طرح آپ جو اعمال کرتے ہیں اگر چہ وہ فرض نہ ہوں (مثلاً تسبیحات، تہجد اور دیگر نفلی اعمال) تو اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ان اعمال پر اہتمام کے ساتھ مداومت رہے تب پھر آپ ان اعمال کے رہ جانے کی صورت میں ان کی قضا کرلیں۔ مثلاً آپ قضائے حاجت کے لیے بیت الخلا میں داخل ہوئے داخل ہونے کے بعد آپ کو یاد آیا کہ آپ نے دعا نہیں پڑھی اور سنت طریقے سے آپ داخل بھی نہیں ہوئے تو (تب آپ یہ نہ سوچیں کہ چلو اگلی مرتبہ خیال کرلوں گا بلکہ آپ مداومتِ عمل کو حاصل کرنے کے لیے فوراً) واپس باہر آجائیں اور صحیح طریقے کے مطابق داخل ہوں۔

ایک پشتو کہاوت کا قصہ

(مندرجہ بالا بات کی مناسبت سے حضرت نے ایک پشتو کہاوت اور اس کے پس منظر کا واقعہ سنایا ذیل میں وہ کہاوت اور قصہ دونوں نقل کیے جاتے ہیں)

پشتو زبان میں (ایک مخصوص علاقے میں) یہ کہاوت ہے ''دانگئی نہ دانگئی'' اس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ یہ چھلانگ لگانا چھلانگ نہ لگانے کے برابر ہے (اس لیے پھر سے چھلانگ لگاتا ہوں) اس کہاوت کا قصہ یہ ہے کہ کسی علاقے کے ایک شخص نے ندی پر سے پار ہونے کی

نیت سے چھلانگ لگائی لیکن اللہ کی شان وہ پار نہ ہوا بلکہ دریا میں گر پڑا (چھلانگ چھوٹی پڑ گئی تھی) تو اس نے ندی سے نکل کر دوبارہ اسی جگہ سے چھلانگ لگانے کی نیت کر لی اور ساتھ یہ کہا کہ ''دانگی نہ دانگی'' یعنی یہ پہلی چھلانگ لگانا چھلانگ نہ لگانا ہے اس لیے پھر سے چھلانگ لگا تا ہوں اسی طرح آپ بھی خلاف سنت عمل کو عمل شمار ہی نہ کریں بلکہ از سر نو اسی عمل کو سنت کے مطابق کر گزریے) اسی طرح اگر آپ مسجد میں خلاف سنت طریقہ کے ساتھ آئے تو (یاد آنے پر) آپ واپس باہر آ جائیں اور ٹھیک طریقے سے مسجد میں داخل ہوں ایسا کرنے سے آپ کو (استقامت نصیب ہوگی اور) عمل کی اہمیت پیدا ہوگی اور تمہارے اندر پختگی پیدا ہوگی اور یاد رکھیں پکا پھل ہی کام کا ہوتا ہے نہ کہ کچا پھل (ایسا ہی پختہ آدمی پسندیدہ ہوتے ہیں نہ کہ کچے آدمی کہ آج کچھ ہیں کل کچھ) پکے لوگ سب کو پسند ہوتے ہیں پکے لوگ وہ ہوتے ہیں جن میں استقامت ہوتی ہے۔حق پر استقامت کو اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے سراہا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ (البقرہ :۱۵۳)

''بلاشبہ حق تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ رہتے ہیں۔'' (بیان القرآن)

اسی طرح اللہ کا ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصَّابِرِیْنَ (آل عمران: ۱۴۶)

''اور اللہ تعالیٰ کو ایسے مستقل مزاجوں سے محبت ہے۔'' (بیان القرآن)

صابرین یعنی ڈٹ جانے والے۔تو جو اعمال پر نہیں ڈٹتے وہ میدان میں کیسے ڈٹیں گے۔ جو نماز، ذکر و اذکار (وغیرہ) پر نہیں ڈٹ سکتے تو یہ آدمی ایسا ہے کہ اس میں ڈٹ جانے کی خوبی ہی نہیں ہے۔اس لیے کوشش کریں کہ جو اعمال بھی آپ کریں تو ان پر مداومت کریں۔ان شاء اللہ کسی نہ کسی وقت فائدہ محسوس ہوگا (دوام عمل کا) اور عمل کا اصل فائدہ تو آخرت ہی میں نظر آئے گا، اس مداومت اعمال کا آپ کے اخلاق پر بھی اثر ہوگا۔اور جو لوگ اعمال پر مداومت نہیں کرتے ان کے اخلاق میں بھی کچا پن موجود ہوتا ہے۔(یاد رکھیں!) جو آدمی عمل پر مداومت کرے گا وہ ہمیشہ با کردار ہوگا۔

تیسری مجلس

''خوف'' انسان کے لیے مفید ہے

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

اللہ تعالیٰ رب العالمین جل جلالہ نے انسان کے اندر بہت اچھے مادے رکھے ہیں اور وہ انسان کے لیے ازبس ضروری ہیں۔ ان میں سے ایک ''خوف'' بھی ہے۔ خوف وہ صفت ہے جو کہ اللہ رب العالمین نے انسان کے اندر رکھی ہے، خوف بڑی مفید چیز ہے، اس کی وجہ سے آدمی اپنی حفاظت کرتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ مثلاً آپ ایک پہاڑی پر جا رہے ہیں، درمیان میں کہیں (شگاف یا ڈھلوان ایسی ہے جہاں سے) گرنے کا خطرہ ہے تو وہاں آپ کیسے گزرتے ہیں؟ آرام سے گزرتے ہیں کہ کہیں گر نہ جاؤں۔ اسی طرح ہر وہ جگہ جہاں سے انسان کو خطرہ ہوتا ہے تو وہاں انسان احتیاط کرتا ہے۔ (مثلاً) کسی جگہ آپ نے دیکھا کہ سانپ ہے اب آپ خوف کی وجہ سے یا تو لاٹھی اٹھا کر اسے ماریں گے تاکہ آپ اپنا دفاع کر سکیں یا پھر آپ وہاں سے بھاگیں گے۔ چھوٹے بچوں کو آپ دیکھیں کہ ان میں (سنِ شعور سے پہلے عام طور سے) خوف نہیں ہوتا ہے تو وہ سانپ کے ساتھ کھیلیں گے۔ (الغرض یہ کہ) خوف بڑی مفید چیز ہے۔ اس خوف کی وجہ سے آدمی دنیا کی تکلیف اور نقصان سے اور موت کے بعد عذاب قبر اور عذاب جہنم سے بچ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَہَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰیOفَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰیO(النّٰزعٰت: ۴۰، ۴۱)

اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو (حرام) خواہش سے روکا ہوگا۔ سو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا۔'' (بیان القرآن)

اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں جس کے اندر خوف ہوگا وہ اپنے خواہشات وہوائے نفس سے رکے گا۔ جہنم خطرے کی جگہ ہے۔ خوف کی وجہ سے رکا تو خوف نے جنت پہنچا دیا۔ تو (عرض یہ کر رہا تھا کہ) یہ خوف بڑی مفید چیز ہے۔

وہ خوف مفید ہے جو اعتدال کے درجے کا ہو

ایک ہے خوف کو اپنے اوپر مسلط کرنا۔ اسے ''وہم'' کہتے ہیں۔ یاد رکھیں جو چیز بھی اپنے حدود سے بڑھ جاتی ہے وہ بداخلاقی بن جاتی ہے (مثلاً خوف کو ہی لے لیں) خوف (درحقیقت) یہ ہے کہ انسان اپنے خالق سے ڈرے (اور اس ڈر کے نتیجے میں خالق کے احکامات کی بجا آوری کرے اس حقیقی خوف مذکور کے برخلاف) جو لوگ خوف اپنے اوپر مسلط کیے رکھتے ہیں وہ لوگ اس (نعمت) کو الٹا استعمال کرتے ہیں کیوں کہ خوف کا اصل مقصود تو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے انسان دنیوی تکالیف اور نقصانات سے اپنے آپ کو بچائے رکھے نیز اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے سے اور گناہ والے کاموں سے بچتا رہے (اور جو لوگ ایک طرح کا خوف اپنے اوپر مسلط کیے رہتے ہیں عام طور سے وہ دنیا کا اور دنیا کی چیزوں کا اور ان چیزوں کے زوال وغیرہ کا بے جا خوف ہوتا ہے اس لیے) اس مفید چیز کو بے جا طور اپنے اوپر مسلط کر کے غیر مفید بنا دیتے ہیں۔ پھر اگر اس (مسلط کردہ) خوف کے ساتھ آپ نے ''وہم'' کو بھی ملا دیا تو اس سے نقصانات میں مزید اضافہ ہوگا۔

ٹینشن اور ڈپریشن کی حقیقت اور اس کا آسان ترین علاج

آج کل یہ (خوف کو خود پر مسلط کرنے کی) بڑی بیماری ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دل اللہ کے خوف اور فکرِ آخرت سے خالی ہوگئے ہیں کیوں کہ جس دل میں اللہ کا خوف اور فکرِ آخرت پیدا ہو جاتی ہے تو پھر اس دل میں دوسرا خوف (مخلوق کا) اور دوسری فکر پیدا نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کسی

پر دوغموں کو جمع نہیں فرماتے۔ (بلکہ انسان کو ہمیشہ ایک ہی غم سے واسطہ پڑتا ہے) یا دنیا کا غم ہوگا یا آخرت کا۔ بہر حال! وہم آج کل کی بڑی بیماری ہے۔ اس وہم کو "ٹینشن اور ڈپریشن" کہتے ہیں۔ یہ بیماری کیسے بنتی ہے یہ (بیماری ہمیشہ وقت سے پہلے مستقبل کو خود پر سوار کرنے سے بنتی ہے) کہ آدمی یہ سوچے کہ آگے چل کر میں کیا کھاؤں گا؟ میرے بیوی بچے کیا کھائیں گے۔ تمہارے بیوی بچے فقیر کب ہو گئے کہ تم کو فکر لگی ہوئی ہے۔

اسی طرح یہ سوچنا کہ یہ بچے بڑے ہوں گے ان کی شادی کا کیسے انتظام کروں گا یہ خوف (قبل از وقت) ہے۔ یہ پریشانی اس لیے آئی کہ ہم نے بچوں کو وقت سے پہلے بڑا اور جوان سمجھا اور پریشان ہو گئے۔ یہ خوف مسلط کرنا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ (دل میں) اگر وہ (اللہ کا خوف) ہوتا تو یہ سب خوف نہ ہوتے۔ اسی طرح یہ فکر کہ نوکری ختم ہوئی تو میں کیا کروں گا۔ میرا تو اور کوئی کام ہی نہیں ہے۔ (یہ سب غلط قسم کے خیالات اور بے کار قسم کی سوچیں ہیں، خواہ مخواہ خود کو پریشان کرنے والی سوچیں ہیں ان سے بہر صورت بچنا چاہئے) غیر مسلموں، فاسق فاجروں میں تو یہ بیماری پہلے سے تھی کہ مثلاً میرے بچے بڑے ہو کر جب ان کی شادی ہوگی تو یہ کیا کھائیں گے، کہاں سے کھائیں گے اب مسلمانوں بلکہ بظاہر دیندار نظر آنے والوں میں بھی یہ بیماری آ گئی ہے کہ یہ بچے بڑے ہو کر کہاں سے کھائیں گے۔ یہ سوچو کہ یہ بچہ ابھی بھی تو کھا رہا ہے تو یہ (اس وقت) کہاں سے کھا رہا ہے (اللہ کے خزانوں سے کھا رہا ہے تو آئندہ بھی یہ اللہ کے خزانوں سے کھاتا ہی رہے گا آپ کیوں بلاوجہ کی مفت پریشانیاں مول رہے ہیں) جو خدا اس کو ابھی دے رہا ہے تو جب یہ بڑا ہوگا تو وہ خدا اور بھی دے گا۔ اس لیے فکر مت کریں اور ڈریں بھی نہیں۔ اندر سے نہ ڈریں۔ (یعنی اپنے اندر سے خوف کو دور کر دیں) کیوں کہ تم جب بھی گرو گے ہمیشہ اپنے اندر سے گرو گے، باہر سے تمہیں کوئی بھی نہیں گرا سکے گا تمہیں گرانے والا تمہارا "اندر" ہوگا۔ اپنے اوپر خوف مسلط نہ کرو (بلکہ یوں سوچو کہ) جو بھی ہوگا دیکھا جائے گا۔ جب ہم سب کو یہ معلوم ہے کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ جل جلالہ ہے اور وہ ہمارا خیر خواہ ہے تو پھر بھلا کیا ہمیں اور تمہیں

کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے؟ (ہرگز نہیں) البتہ تم اپنے نفس سے ڈرتے رہا کرو تمہارا نفس تمہیں اللہ تعالی سے دور نہ کردے۔

غیر ضروری خوف کے نقصان دہ ہونے کی ایک فرضی مثال سے دلچسپ وضاحت

غیر ضروری خوف کے نقصان دہ ہونے کی بات پر مجھے ایک افسانہ یاد آیا۔ ہیضہ ایک بیماری ہے وہ ایک مرتبہ اونٹ پر سوار کہیں جارہی تھی، راستے میں اسے بدو (دیہاتی) ملا۔ بدو نے ہیضے سے پوچھا کہ تو کون؟ ہیضے نے جواب میں کہا میں ہیضہ ہوں! بدو نے پوچھا کہ کہاں جارہی ہو؟ ہیضے نے کہا کہ عراق جارہی ہوں۔ دیہاتی نے کہا کہ تم عراق کس لے جارہی ہو کیوں کہ تم تو آفت ہی آفت ہو کوئی خیر تمہارے اندر ہے ہی نہیں (تو پھر تمہارے عراق جانے کا کیا مقصد؟ (چونکہ ہیضہ ایک مہلک اور جان لیوا بیماری ہے اس لیے) اس نے کہا کہ میں عراق جاکر بیس ہزار آدمیوں کو ماروں گی۔ بہر حال! ہیضہ عراق چلی گئی پھر کچھ عرصے بعد وہاں سے واپس آرہی تھی۔ اس دوران ہوتے ہوئے یہ خبر مشہور ہوگئی کہ عراق کے اندر ہیضے کی بیماری لگنے سے ایک لاکھ آدمی انتقال کرگئے۔ اس بدو نے بھی کہیں سے یہ بات سن لی (وہ سوچنے لگا کہ ہیضہ تو بڑی جھوٹی ہے جاتے وقت تو وہ کہہ رہی تھی کہ میں بیس ہزار آدمی ماروں گی اب اس نے وہاں جاکر بجائے بیس ہزار کے ایک لاکھ آدمیوں کو ماردیا ہے) چونکہ بدو لوگ بڑے پکے دماغ اور پکی زبان کے لوگ ہوتے ہیں (اس لیے اسے ہیضے پر بڑا غصہ آیا ہوا تھا) جو لوگ پہاڑوں پر رہتے ہیں وہ لوگ (عموماً) مضبوط دماغ کے اور زبان کے بڑے پکے) ہوتے ہیں۔

اس لیے وہ بدو سوچنے لگا کہ میں واپسی پر ہیضہ سے ملوں گا کہ اس نے کیوں جاتے وقت مجھ سے غلط بیانی کی تھی خیر ہیضہ کی واپسی کے موقع پر ملاقات ہوگئی بدو نے ملتے ہی سب سے پہلے

یہی سوال کر ڈالا کہ تو نے تو بیس ہزار آدمیوں کے مارنے کا کہا تھا پھر وہاں جا کر تو نے ایک لاکھ بندے کیوں مار دیے۔ ہیضہ کہنے لگی کہ ارے بدو! میں نے کوئی غلط بیانی نہیں کی ہے کیوں کہ میں تو سچ مچ بیس ہزار آدمیوں کو مارنے گئی تھی اور بیس ہزار آدمیوں کو ہی مارا تھا باقی اسی ہزار آدمی خوف اور وہم سے ہی مرے ہیں (کیوں کہ وہاں مشہور ہوا تھا کہ ہیضہ ہے ہیضہ ہے بس ڈرپوک قسم کے لوگ حوصلے ہارنے لگے اور مرنے لگے یہاں تک کہ ہوتے ہوتے اسی ہزار آدمی صرف خوف سے ہی انتقال کر گئے)۔

خوف زائل کرنے کا طریقہ

اس واقعہ کو سنانے سے مقصود یہی ہے کہ آدمی بلا وجہ خوف نہ کریں۔ جو واقعی خطرات ہیں ان سے تو احتیاط برتیں باقی فرضی خوف بالکل نہ کیا کریں خوف زائل کرنے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ اللہ سے تعلق کو مضبوط کر لیں۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ اللہ سے تعلق ہر غم کا مداوا ثابت ہوگا)

چوتھی مجلس

بدزبانی اور بدگمانی سے بچیے

اعوذ باالله من الشیطٰن الرجیم

بسم الله الرحمن الرحیم

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ط اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُم ط اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًاo (بنی اسرائیل : ۵۳)

''اور آپ (مسلمان) بندوں سے کہہ دیجئے کہ ایسی بات کہا کریں جو بہتر ہو شیطان لوگوں میں فساد ڈلوا دیتا ہے۔ واقعی شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔'' (بیان القرآن)

آپ کو میں نے پہلے ایک بات عرض کی تھی کہ بہت سے فتنوں کا، لڑائیوں کا، اور جھگڑوں کا سبب اور بنیاد بدزبانی اور بدگمانی ہے (مذکورہ بالا آیت میں) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے پیغمبر! میرے بندوں سے کہو کہ وہ وہی بات کریں جو بہتر ہو بیشک شیطان آپس میں لڑا دیتا ہے یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

زبان کی حفاظت انتہائی ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

''بدزبانی جس چیز میں، جس بات میں شامل ہوجاتی ہے اس کو بدنما بنادیتی ہے۔ (اس کے برخلاف) جس چیز، (یا) بات میں حیا شامل ہوجاتی ہے تو وہ اسے خوش نما بنادیتی ہے۔'' [۱]

بدزبانی جس بات میں بھی شامل ہوجاتی ہے اس بات کو گویا زہر بنادیتی ہے۔ (بدزبانی کے مقابلے میں نیک زبانی یعنی اچھی بات کا اپنا ایک مقام اور اپنا ایک اثر ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اچھی بات کو ہر ایسے مالی خیرات سے بھی بہتر قرار دیا ہے جس کے بعد بدزبانی اور احسان

---

[۱] عن انس ﷺ قال قال رسول الله ﷺ مَا کَانَ الفُحشُ فِی شیءٍ اِلَّاشانَهٗ وماکان الحیا فِی شیءٍ اِلَّازانَهٗ. رواہ الترمذی ج ۲ صـ۸ ا کتاب البر والصلة باب ماجأفی الفُحشِ.

جتانے کا معاملہ ہو چنانچہ) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى (البقرة: ۲۶۳)

''(ناداری کے وقت) مناسب بات کہہ دینا اور درگزر کرنا (ہزار درجہ) بہتر ہے ایسی خیرات (دینے) سے جس کے بعد آزار پہنچایا جائے۔'' (بیان القرآن)

صدقے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ انسان کا دل اچھا ہو دل خوش ہو، اب اگر آپ کسی کو کچھ مال دیتے ہیں پھر اس کے بعد اسے طعن دیتے ہیں، اس پر احسان جتاتے ہیں اور اسے ذلیل کرتے ہیں تو پھر ایسے صدقے سے تو یہی اچھا اور بہتر ہے کہ آپ اسے مال وغیرہ اور صدقہ نہ دیں بلکہ اس صدقے کی جگہ صرف اس سے اچھی بات ہی کر لیں۔ جس صدقے کے پیچھے ایذا لگی ہوئی ہو، تکلیف لگی ہوئی ہو وہ صدقہ برباد ہو جاتا ہے۔ بدگوئی پھوٹ پیدا کرتی ہے جو کہ شیطان کا کام ہے، اس کے ذریعہ شیطان لوگوں کے اندر غصہ، حسد، نفرت، اور نفاق کا بیج بو دیتا ہے۔ بہر حال زبان کی حفاظت بہت ضروری ہے (زبان سے متعلق) علماء کرام فرماتے ہیں:

جِرْمُهٗ صَغِيْرٌ وَجُرْمُهٗ كَبِيْرٌ

''زبان کا جسم چھوٹا ہے لیکن اس کا جرم بڑا ہے۔''

(جرم جیم کے زیر کے ساتھ جسم کو کہتے ہیں) کسی کو طعن زبان سے کی جاتی ہے......جھوٹ زبان سے بولا جاتا ہے...... کسی نے کسی کو قتل کیا ہو پھر آپس میں ان کے درمیان صلح صفائی ہو گئی ہو تو ورثاء کو بعض شر پسند قسم کے لوگ مقتول کا طعنہ دیتے ہیں کہ تم اگر واقعی بہادر ہو تو اپنے خلاف مقتول کا بدلہ لے لو چنانچہ ان میں سے کوئی اٹھتا ہے اسلحہ اٹھاتا ہے اور صلح ہو جانے کے باوجود ان میں سے کسی کو قتل کر ڈالتا ہے اب دیکھیں یہ جرات اور جرم کس نے کروایا۔ زبان نے کروایا۔ غرض یہ کہ زبان کے جرائم بہت بڑے بڑے ہیں مثلاً: شیطانت، چغلی، جھوٹ، غیبت، آدمیوں کو آپس میں لڑانا وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے اس کی بڑی حفاظت کرنی چاہیے۔ آپ یہ نہ سوچیں کہ بات سے کیا ہوتا ہے؟ کیوں کہ انسان کی بات کا بڑا وزن ہے، مثلاً کوئی انسان زبان سے بیوی کو کہتا ہے تم کو ۳ طلاق، تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہی شخص

ایک عرصے تک روتا چلاتا رہتا ہے کہ میری شادی کراؤ! میری شادی کراؤ! شادی ہو بھی گئی اور قرض لے کر ۵ لاکھ روپے بھی لگا دیے اب کیا ہوا غصے میں آ گئے اور کہہ دیا تین طلاق، تو اس سے بیوی چلی گئی اب آپ بتائیں کہ بات میں کتنا وزن ہے۔ اسی طرح ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کو دو گواہوں کی موجودگی میں یہ کہے کہ میں نے اپنی لڑکی تمہیں دے دی ہے وہ آدمی یوں کہے کہ میں نے قبول کر لی (اب دیکھیں یہ باتیں ہی ہیں لیکن ان کا اثر کیا ہوا) اس کی لڑکی قبول کرنے والے کے گھر میں چلی جائے گی۔

لقمان حکیم ؒ کا ایک واقعہ

(مشہور ہے کہ) لقمان حکیم ؒ کو ان کے آقا نے کہا کہ ایک بکری ذبح کر کے اس کے گوشت میں سے میٹھا ترین اور لذیذ حصہ لے آؤ! چنانچہ حضرت لقمان حکیم گئے، بکری ذبح کی اور اپنے آقا کے لیے اس کی زبان لے کر حاضر ہوئے۔ (بات آئی گئی ہوگئی) دوسرے دن پھر آقا نے لقمان حکیم سے کہا کہ بکری ذبح کر کے اس کے گوشت میں سے کڑوا ترین گوشت لے آئیں۔ چنانچہ وہ دوسرے دن بھی گئے، بکری ذبح کی اور زبان کا گوشت اپنے آقا کے لیے لے کر تشریف لائے۔

آقا نے (حیران ہوکر) کہا کہ دونوں مرتبہ آپ ایک ہی چیز لے آئے (حالانکہ دو الگ الگ چیزوں کو لانا چاہئے تھا کیوں کہ مٹھاس اور کڑواہٹ آپس میں ضد ہیں تو جو میٹھا ہوگا وہ اور ہوگا اور جو کڑوا ہوگا وہ اور ہوگا تو پھر آپ دو مرتبہ میں زبان ہی کو کیوں لائے اس میں کیا خاص حکمت ہے۔ لقمان حکیم نے کہا کہ یہ زبان اگر اچھی (اور نرم گفتار) ہو جائے تو اس سے میٹھی چیز کوئی نہیں ہے۔ اور اگر یہ بری (کڑوی) ہو جائے تو اس سے بری کوئی چیز نہیں ہے۔ بہر حال بدزبانی سے بچیں۔ بدزبانی کو ایک حدیث میں نفاق قرار دیا گیا ہے (فرمان نبوی ﷺ کا مفہوم ہے کہ) جو لوگ بدزبانی کرتے ہیں وہ منافق ہیں۔ [1]

---

[1] نبی کریم ﷺ نے منافق کی چار علامات بتائیں اُن میں سے ایک یہ بھی بیان فرمایا کہ (وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ) جب جھگڑا کرے تو بدزبانی کرے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

من سکت نجا [۱]

''جو شخص خاموش ہوگیا وہ نجات پاگیا۔''

ایک دوسری حدیث میں وارد ہے (جس کا مفہوم ہے کہ) ''جس شخص کو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہو وہ اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔'' [۲] بہرحال! میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ لوگ گھروں کو جائیں گے (یہ جملہ حضرت نے اس لیے ارشاد فرمایا کہ رمضان المبارک میں جو حضرت کے ہاں اصلاحی چلہ ہوتا ہے وہ ۱۷شعبان سے ۲۷رمضان تک ہوتا ہے پھر ۲۷رمضان کو وہ تمام احباب جو اعتکاف میں نہیں ہوتے وہ گھروں کے لیے روانہ ہوتے ہیں تو یہ بیان غالباً انہی اخیر کے دنوں میں سے کسی دن کا ہے اس لیے حضرت نے یہ فرمایا کہ'' آپ لوگ گھروں کو جائیں گے'' لوگوں سے ملیں گے) اس لیے اپنی زبان کا خوب خیال رکھیں اس لیے کہ زبان کا زخم ٹھیک نہیں ہوتا تلوار کا زخم ٹھیک ہوجاتا ہے۔

---

[۱] اخرجه الترمذی ج ۲ ص۷۶ کتاب فی صفة القیامة: باب المؤمن یری ذنبه واخرجه احمدفی المسند ج ۲ ص۱۵۹ والدارمی ج ۲ ص۲۹۹ وذکره الحافظ فی الفتح عن الترمذی ج ۱۱ ص۳۱۳ وقال رواته ثقات

[۲] (یہ حدیث شریف کا ایک حصہ ہے پوری حدیث اسی طرح مذکور ہے) عن ابی هویرة ﷺ قال قال رسول اللّٰه ﷺ من کان یُؤمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الأٰخرفلیکرم ضَیْفَهٗ وَمَنْ کَانَ یُؤمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الآخِرِفَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْلَیَصْمُتْ۔

رواه البخاری ج ۲ ص۹۵۷ کتاب الرقاق: باب حفظ اللسان ومسلم ج ۱ ص۵۰ کتاب الایمان باب الحث علی اکرام الجار. والترمذی ج ۲ ص ۷۶ کتاب فی صفة القیامة: باب المؤمن یری ذنبه۔

طعنہ کبھی بھی نہیں دینا چاہیے

حضرت امام کسائی رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت امام یزیدی رحمہ اللہ تعالیٰ دونوں مشہور قراء ہیں۔ امام کسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کوفہ (شہر) کے تھے۔ ایک دن ہارون الرشید رحمہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں امام کسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کو نماز پڑھانے کے لیے آگے کیا گیا، انہوں نے نماز شروع کردی۔ غالباً مغرب کی نماز تھی۔ امام کسائی رحمہ اللہ تعالیٰ ''سورۃ الکافرون'' پڑھ رہے تھے تو پھنس گئے (یعنی اٹکن آنے لگی چنانچہ مجبوراً انہوں نے) اس کے بعد کوئی دوسری سورت پڑھی، جب نماز مکمل کر کے انہوں نے سلام پھیرا تو امام یزیدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: ''کوفہ کے قاری کو سورۃ الکافرون میں رک لگ گئی''، یعنی طعنہ دے دیا۔ پھر (کچھ عرصے بعد) اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہوئی کی امام یزیدی رحمہ اللہ تعالیٰ نماز پڑھانے کے لیے آگے ہو گئے، چنانچہ جب انہوں نے نماز شروع کی تو سورۃ الفاتحہ میں انہیں بند لگ گیا (یعنی اٹکن آنے لگی۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر آدمی کو سورۃ فاتحہ کے بعد غلطی آنے لگے تو اس جگہ کو چھوڑ کر قرآن مجید کی کسی دوسری جگہ کو پڑھ لے تب بھی نماز ہو جائے گی لیکن سورۃ فاتحہ کا تو متبادل نہیں ہے کیوں کہ سورۃ فاتحہ خود واجب ہے اس لیے) سورۃ فاتحہ کی تو دوسری سورۃ بھی قائم مقام نہیں مجبوراً انہیں سلام پھیرنا پڑا۔ (چونکہ دل بینا تھا اس لیے فوراً اس غلطی کے سبب پر تنبیہ بھی ہوئی اور یہی اللہ والوں کی شان ہوتی ہے چونکہ وہ معصوم نہیں ہوتے اس لیے ان سے خطا سرزد ہو بھی جاتی ہے لیکن انہیں فوراً تنبیہ ہو جاتی ہے جس کی برکت سے وہ فوراً نادم ہو کر تائب ہو جاتے ہیں چنانچہ) سلام پھیرتے ہی امام یزیدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمانے لگے:

احْفَظْ لِسَانَكَ لَا تَقُلْ فَتُبْتَلٰی
إِنَّ الْبَلَاءَ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ

''زبان کی حفاظت کرو زیادہ باتیں نہ کرو، آزمائش میں پڑ جاؤ گے (کیوں کہ) بلائیں

مصیبتیں (بولنے) کے ساتھ لگی ہوئی ہیں۔''

حدیث میں آتا ہے:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ

''(کامل) مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان سے اور ہاتھوں سے لوگ محفوظ ہوں۔'' [۱]

ہمیشہ بات کرنے سے پہلے سوچا کریں

اس لیے آپ جب بھی کوئی بات کریں پہلے سوچیں کہ یہ بات جائز ہے یا ناجائز۔ اگر وہ (بات) ناجائز ہے تو اسے چھوڑ ہی دیں اور اگر جائز ہے ساتھ اس میں فائدہ بھی ہے یعنی لایعنی بات نہیں ہے تب پھر آپ سوچیں کہ بات کس طرح کروں یعنی اس کے انداز کے بارے میں سوچیں کہ یہ بات کس انداز سے کروں، انداز بھی جب پیارا ہو تو بہت اثر کرتا ہے مثلاً کسی آنے والے سے کھانا کھانے کا کہنا ہے تو اس کے کئی انداز ہو سکتے ہیں مثلاً ایک انداز یہ ہے کہ آپ آئیں ہمارے ساتھ کھانا کھائیں ایک انداز یہ ہے کہ آپ پوچھیں مثلاً کیا آپ ہمارے ساتھ کھانا کھائیں گے (ایسا نہیں کہنا چاہیے کیوں کہ اس میں اندیشہ ہے کہ مہمان اگر ایسا ہو کہ وہ آپ سے زیادہ بے تکلف نہ ہو تو وہ کبھی بھی یہ نہیں کہے گا کہ ہاں کھاؤں گا بلکہ وہ تو نفی میں جواب دے گا الا یہ کہ وہ آپ سے بے حد بے تکلف ہو پھر اس طرح سے سوال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ورنہ وہ تو (شرم کی وجہ سے) کہے گا نہیں۔ آپ مہمان کو اختیار نہ دیں (یعنی سوال نہ کریں کہ کھائیں گے؟) بلکہ یوں کہیں کہ ''آئیں ہمارے ساتھ کھانا کھائیں۔'' مہمان سے کبھی بھی یہ نہ پوچھیں کہ کھانا کھاؤ گے؟ اگر کبھی کسی مصلحت کی وجہ سے پوچھنا ہی پڑے تب پھر انداز اچھا رکھیں

[۱] اخرجہ البخاری ج ۱ صـ۶ کتاب الایمان: باب ایُّ الاسلام افضل. و مسلم ج ۱ صـ۴۸ کتاب الایمان باب تفاضل الاسلام و ایُّ امورہ اَفْضل و اخرجہ نسائی ج۲ ص۲۶۷ کتاب الایمان و شرائعہ: باب ایُّ الاسلام افضل.

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس مہمان (فرشتے) آئے۔ جب وہ تشریف فرما ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام (ان سے پوچھے بغیر) ان کے کھانے کی ترتیب بنانے لگے چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں آپ علیہ السلام نے بچھڑے کو ذبح کیا اور بھون کر ان کے سامنے لے آئے۔ [۱] دیکھیں یہ ہے انبیاء علیہم السلام کی عادت اور ان کے اخلاق۔

بعض اوقات شبہ ہوتا ہے کہ شاید مہمان نے کھانا کھالیا ہوگا اس لیے احتیاطاً پوچھنے کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے تب ایسے موقع پر پوچھنے کی صورت یوں ہے کہ آپ ان سے کہیں کہ آپ تشریف رکھیں میں کھانا لے آتا ہوں۔ اب اگر مہمان نے کھانا کھالیا ہوگا تب وہ آپ کو منع کر دے گا اور اگر نہیں کھایا ہوگا تو پھر آپ کھلا دیں آپ بات اس انداز سے نہ کہیں کہ آپ کے ساتھ بیٹھنے والے شرمندہ ہوں، ذلیل ہوں، رسوا ہوں، (بلکہ ان ساتھیوں کی ہر طرح سے رعایت رکھیں اور ناپ تول کر جملے استعمال کریں)

واقعہ

ایک مرتبہ کی بات ہے کہ مجھے اور میرے ایک ساتھی کو اسلام آباد سے کراچی کی فلائیٹ میں جانا تھا۔ چونکہ ہمارے پاس وقت کم تھا اس لیے ہم صبح نکلے اور جلد سے جلد ائیر پورٹ پہنچنے کے لیے تیزی کے ساتھ سفر شروع کیا۔ چونکہ وقت کم فاصلہ زیادہ تھا اس لیے ہمیں جلدی تھی، اللہ کی شان راستے میں پولیس والے نے روکا۔ میرے ساتھی نے پولیس والے سے کہا: ''آپ بے شک ہماری تلاشی لے لیں لیکن براہ مہربانی تھوڑی سی جلدی جلدی لے لیں کیوں کہ ہماری

---

[۱] هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۝ (الذٰریٰت: ۲۴)

(ترجمہ) کیا آپ تک ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کی حکایت پہنچی ہے؟ جب کہ وہ اُن کے پاس آئے پھر (اُن کو) سلام کیا (انہوں نے بھی) کہا سلام (یہ) انجان لوگ (تھے) پھر آپ اپنے گھر کی طرف چلے اور فربہ بچھڑا لے آئے پھر اسے اُن کے پاس لاکر رکھا۔

فلائیٹ کا ٹائم ہونے والا ہے خطرہ ہے کہ کہیں دیر نہ ہوجائے۔ پولیس والے نے یہ بات سنتے ہی ہمیں تلاشی لیے بغیر ہی چھوڑ دیا (یہ اچھے انداز کی برکت تھی آگے حضرت نے تواضعاً فرمایا کہ) اگر میں ہوتا تو کہتا یار ہمارا کام ہے تم ہمیں کیوں روکتے ہو۔ بہر حال جو بات کہنی ہو اور وہ بات جائز بھی ہو تب بھی آپ اس بات کے لیے انداز بھی سوچ لیا کریں اور اچھے سے اچھے انداز سے اس کو پیش کرنے کی کوشش کریں۔

پانچویں مجلس

انسانی روح کی حقیقت

انسان روح اور نفس سے مرکب ہے

(خطبۂ ابتدائیہ کے بعد) ہم علماء اور مشائخ سے سنتے ہیں کہ انسان روح اور نفس سے بنا ہوا ہے اور مرکب ہے (روح کا لفظ سنتے ہی) ہمارے ذہن میں عموماً اس سے یہ (خیال) آتا ہے کہ یہ جو روح ہمارے بدن کے اندر دوڑتی ہے، جس کے نکلنے کی صورت میں جسم مر جاتا ہے اور جسم میں رفتہ رفتہ کیڑے پڑ جاتے ہیں یہی درحقیقت روح ہے (حالانکہ یہ خیال درست نہیں ہے کیوں کہ روح یہ نہیں ہے بلکہ روح ایک نورانی حقیقت کا نام ہے جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے (چونکہ اس بیان میں حضرت والا نے روح سے متعلق بات فرمائی تھی اس مناسبت سے بار بار روح کا ذکر آنا تھا اس لیے حضرت نے اردو والوں سے پوچھا کہ روح اردو میں مؤنث ہے یا مذکر؟ عرض کیا گیا کہ حضرت روح اردو میں مؤنث ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ پشتو میں یہ لفظ مذکر کے ساتھ مستعمل ہے پھر اس بات کی مناسبت سے حضرت نے یہ لطیفہ سنایا۔)

''ہمارا قوم مذکر ہے'' والا لطیفہ

ایک بار ایسا ہوا کہ ایک پختون لیڈر تھا وہ کسی جلسے سے خطاب کر رہا تھا اردو زبان میں۔ اور بار بار کہہ رہا تھا کہ: ''ہمارا قوم'' ''ہمارا قوم'' (حالانکہ قوم کا لفظ اردو میں مؤنث ہے اس لحاظ سے یہ جملہ یوں کہنا چاہیئے تھا کہ: ''ہماری قوم'') جلسے میں اور بھی لکھے پڑھے بہت سے لوگ موجود تھے تو ان لوگوں میں سے ایک اردو بولنے والے نے پختون لیڈر سے کہا کہ بھائی صاحب قوم

مؤنث ہے مذکر نہیں ہے اس لیے آپ ''ہمارا قوم'' کہنے کے بجائے ''ہماری قوم'' کہیں۔
اس پختون لیڈر نے برجستہ جواب دیا کہ جناب! مؤنث ہوگی تمہاری قوم۔ ہماری قوم مذکر ہے اس لیے میں ''ہمارا قوم'' کہہ رہا ہوں۔ بہرحال یہ عرض کر رہا تھا کہ جب روح اور جسم کی بات آتی ہے تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ وہ روح ہے جس کی وجہ سے ہم زندہ ہیں اور جس کے نکل جانے کی وجہ سے جاندار چیز مرجاتی ہے۔ جبکہ حقیقت ایسی نہیں ہے کیوں کہ مشائخ کے ہاں روح کسی اور حقیقت کا نام ہے (نہ وہ تصور جو ہمارے ذہنوں میں موجود ہے کیوں کہ اگر روح فی الحقیقت اسی کا نام ہے جسے ہم روح سمجھتے ہیں تو وہ روح تو انسان ہی کا کیا خاصہ تمام جانداروں حتیٰ کہ کتے، گدھ وغیرہ میں بھی ہوتی ہے اور انسان ہی کی طرح دیگر تمام جاندار بھی اس روح کے نکل جانے سے مرجاتے ہیں اور رفتہ رفتہ ان کے جسم گل سڑ جاتے ہیں۔ تو اگر روح یہی ہے تو پھر انسان کی عظمت کیا ہوئی؟ یہ تو اشرف المخلوقات ہے تو اس کی شرافت کسی وجہ سے ہوئی۔ الغرض یہ کہ اس تصور سے تو انسان دیگر جانداروں کے مساوی ہو جاتا ہے۔ حالانکہ انسان تمام مخلوقات میں بزرگ و برتر ہے)

مشائخ یہ بھی فرماتے ہیں کہ انسان کا جسم روح کے لیے بمنزلہ سواری کے ہے (اور خود ''روح'' بمنزلہ سوار کے ہے) اب آپ یہ سمجھیں کہ سواری میں بھی روح ہوتی ہے جیسے انسان سوار ہے اور گھوڑا سواری ہے تو گھوڑے میں بھی روح ہوتی ہے۔ (خلاصہ اس بات کا یہ ہوا کہ) انسان تین چیزوں سے مرکب ہے (درحقیقت انسان دو ہی چیزوں سے مرکب ہے یہاں صرف سمجھانے کے لیے بطور مقدمہ ابتدائیہ کے تین چیزیں کہی گئی ہیں آگے جا کر ان میں سے انسانی جسم اور انسانی روح بمعنیٰ سٹیم ایک ہو جائے گی اور روح بمعنیٰ اللہ کا امر دوسری چیز ہو جائے گی تو انسان انہی دو سے مرکب ہے یہ مضمون ذرا ادقیق ہے اگر کسی کو سمجھنے میں دشواری ہو جائے تو کسی عالم سے اس کو سمجھیں۔ از: مرتب)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عناصر اربعہ (مٹی، ہوا، پانی اور آگ) سے بنایا ہے، باقی مخلوقات

(جاندار) جیسے گدھے، کتے وغیرہ کو بھی انہی عناصر اربعہ سے ہی بنایا ہے اسی مٹی، ہوا، پانی اور آگ سے وہ سب بھی بنائے گئے ہیں۔ اب ایک ہی طرح کے عناصر اربعہ ہیں۔ انہی سے انسان بھی بنی ہے اور انہی سے دیگر جاندار مخلوقات بھی بنی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ باقی جانداروں کے نسبت انسانی ساخت میں مٹیریل عمدہ لگا ہوا ہے۔ جیسے ہوائی جہاز لوہے سے بنا ہے اور سائیکل بھی لوہے سے بنا ہے (ایک ہی لوہا ہے اسی سے جہاز بھی ہے اور اسے سے سائیکل) لیکن دونوں میں فرق ہے (کیوں کہ جہاز کا لوہا سائیکل کے لوہے کے مقابلے میں کئی گنا عمدہ لوہا ہے) تو اسی طرح انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کا خلاصہ بنایا ہے اور اس میں بہت اچھی صلاحیتیں رکھی ہیں روح (جو ہمارے ذہنوں میں ہے) جو انسان کے بدن میں دوڑتی ہے اور دیگر جانوروں میں بھی ہے تو وہ روح نہیں ہے بلکہ ایک اسٹیم ہے، ایک قوت ہے۔ وہ ایک ایسی قوت ہے جو کہ خون والے جانداروں میں خون کی گردش سے جبکہ دیگر جانداروں میں کسی لیس دار مادے سے بنتی ہے اور وجود میں آتی ہے تو یہ ایک قوت ہے اور ایک اسٹیم ہے حیوانی۔

جیسے پہلے چھکڑا گاڑی ہوتی تھی وہ کوئلے سے اس طرح چلتی تھی کہ پہلے کوئلے کو آگ لگادیا جاتا پھر اس آگ سے ایک اسٹیم وجود میں آتی جس سے یہ چھکڑا گاڑی اور اس وقت کی ریل گاڑی وغیرہ چلتی تھی یہ اسٹیم اور قوت جو کوئلے کے جلنے سے وجود میں آتی تھی روحانی نہیں ہوتی تھی بلکہ سراسر مادی ہوتی تھی اس کے باوجود بھی وہ کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔ بہرحال انسان کی یہ قوت (جسے ہم روح خیال کرتے ہیں) خون کے بخارات سے بنتی ہے وہی بخارات ہوتے ہیں جو بند ہو جاتے ہیں تو اس سے انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس طرح جب کسی جاندار جانور (مثل گائے، بکری وغیرہ) کو ذبح کیا جاتا ہے تو اس سے اس کا خون نکل جاتا ہے (جس کی وجہ سے بخارات بننا بند ہو جاتے ہیں) اور وہ جانور مر جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی کسی اور حادثے سے جاندار کے وجود کا خون خشک ہو جاتا ہے۔ جس سے اس کی موت واقع ہو جاتی ہے جیسے کرنٹ وغیرہ کا لگنا۔ اب یہ سمجھیں کہ یہ جو اسٹیم خون سے بنتی ہے یہ انسان اور دیگر تمام جاندار مخلوقات میں

بھی بنتی ہے۔اب یہ دو چیزیں ہوگئیں (ایک جسم اور ایک یہ اسٹیم) یہی دو چیزیں جسم ہیں۔جسم بھی مادی ہے اور وہ قوت بھی مادی ہے (کیوں کہ یہ اسٹیم خون سے بنی ہے خون تو مادی ہے تو وہ بھی بطریق اولیٰ مادی ہوگی) اس لیے اس کی غذا بھی مادی ہے کیوں کہ خود مادے سے بنا ہے۔تو جسم مادیات سے فائدے اور غذا حاصل کرتا ہے جبکہ روح اسی سے صرف عبرت حاصل کرتی ہے۔

ڈارون کا ''نظریۂ ارتقاء'' غلط ہے

(اب آپ یہ سمجھیں کہ) ہر انسان کو اللہ تعالیٰ رب العالمین کی طرف سے ایک اندر کا انسان بھی دیا جاتا ہے جس کا نام روح ہے، تفصیل آرہی ہے یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ انسان روزِ اول سے ہی انسان ہے ایسا نہیں کہ پہلے کچھ اور تھا پھر ترقی کرتے کرتے انسان بنا جیسے کہ بعض ملحدوں کا یہی خیال ہے انہی میں سے اس نظریے کا بانی ڈارون بھی ہے ڈارون کا نظریہ ''نظریہ ارتقاء'' کہلاتا ہے جس کی بقدر ضرورت تشریح یہ ہے کہ انسان پہلے بندر تھا پھر ترقی کرتے کرتے انسان بنا ہے ایسا نہیں ہے اس کی تردید بندہ نے ''دہریت سے اسلام تک'' نامی کتاب میں کی ہے کہ (حضرت والا نے اس جگہ ڈارون کے اس غلط نظریے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ:)

''ڈارون کا نظریہ غلط ہے کہ انسان پہلے بندر تھا معاذ اللہ (حضرت نے مزاحاً ڈارون کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا) تمہارا باپ بندر ہوگا ہمارا باپ بندر نہیں تھا بلکہ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام تھا۔(ڈارون کا نظریہ ہر اعتبار سے غلط ہے حتیٰ کہ عقلاً بھی غلط ہے کیوں کہ) بندر کے اندر انسانی روح آ ہی نہیں سکتی کیوں کہ بندر اس مقصد کے لیے بنا ہی نہیں ہے۔جیسے سائیکل اڑنے کے لیے نہیں بنتی اڑنے کے لیے تو جہاز بنتے ہیں۔بہر حال انسان کو اللہ تعالیٰ رب العالمین نے بہترین صلاحیتیں دی ہیں حقیقی روح کے لیے یہی سواری یعنی انسانی جسم موزون ہے، وہ (حقیقی روح) اللہ کا امر ہے اور خالص روحانی چیز ہے۔جس کا مادے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔وہ

روح اندر کا انسان ہے۔ ہم لوگ سب کو انسان کہتے ہیں (کیوں کہ ہم ظاہری شکل صورت پر فیصلہ کرتے ہیں اور بظاہر تو سبھی انسان ہی نظر آتے ہیں) وہ جو علماء کرام فرماتے ہیں کہ جس میں انسانیت نہیں ہے (یعنی اچھے اخلاق اور اچھا کردار ایفائے عہد وغیرہ جیسی صفات) وہ جانور ہے انسان نہیں ہے۔ اس سے مراد یہی اندر کی انسانیت یعنی روح ہے۔ (مذکورہ بالا تقریر سے) آپ یہ جان چکے کہ روح سوار ہے اور جسم انسانی اس کی سواری ہے۔ (چونکہ دونوں کی ساخت علیحدہ علیحدہ ہے ایک مادی اور ایک روحانی ہے) اس لیے دونوں کی غذا خوراک اور بقاء وترقی کے ذرائع علیحدہ علیحدہ ہیں۔ سوار (یعنی روح) کی غذا ذکر اور ایمانی صفات ہیں۔ باقی جسم یعنی سواری کی غذا مادی ہے (دونوں کی خوارک کی طرح) دونوں کے تقاضے (بھی) الگ الگ ہیں۔ اگر سوار کو مضبوط کریں گے اور قوی کریں گے اور سواری کو بالکل کمزور تو اس پر سفر کرنا مشکل ہے اور اگر سواری کو قوی اور طاقت ور کریں گے اور سوار کو کمزور پھر سوار کے لیے اس کا سنبھالنا مشکل ہوگا بہر حال سوار کی خوراک الگ ہے اور سواری کی خوراک الگ ہے سواری چونکہ مادی ہے اس لیے اس کی ضرورتیں مادے سے پوری ہوتی ہیں اس وجہ سے وہ مادیات کا عاشق ہو جاتا ہے۔ (اور اسی طرف ہی مائل رہتا ہے)

مجنون اور اس کی اونٹنی کی آنکھ مچولی کا ایک دلچسپ اور سبق آموز واقعہ

(مذکورہ بالا مضمون کی مناسبت سے حضرت نے مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے مندرجہ ذیل واقعہ سنایا ملاحظہ فرمائیں) مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجنون لیلیٰ پر عاشق تھا چنانچہ ایک مرتبہ مجنون لیلیٰ کی زیارت کرنے کی غرض سے اونٹنی پر سوار ہو کر چل پڑا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مجازی عشق سے بچائے آمین!

مجنون کی جو اونٹنی تھی اس کا ایک چھوٹا بچہ بھی تھا چونکہ وہ چھوٹا تھا سفر کے قابل نہیں تھا اس لیے مجنون نے اسے گھر پر ہی چھوڑا تا کہ پریشانی نہ ہو (اب اونٹنی کے لیے بھی بغیر اس بچے کے چلنا مشکل تھا) راستے میں مجنون کو تھکن کی وجہ سے اونگھ اور پھر نیند آ گئی، جس کی وجہ سے مہار نرم پڑ جاتی اور اونٹنی (بچے کی بے تابی کی وجہ سے) واپس گھر کی طرف مڑ گئی اور چلتے چلتے وہ دوبارہ گھر واپس آ پہنچا، مجنون کی آنکھ کھلی دیکھا تو اونٹنی گھر کے سامنے ہے پھر مجنون عازمِ سفر ہوا اور دوبارہ چلنے لگا، راستے میں پھر وہی اونگھ اور نیند کا غلبہ ہوا مہار نرم پڑنے سے اونٹنی کا رخ دوبارہ گھر کی طرف ہوا اب کے بار پھر مجنون کی آنکھ کھلی دیکھا کہ اونٹنی گھر کے سامنے موجود ہے (کیوں کہ وہ بھی مجبور تھی اس لیے کہ اسے اپنے بچے سے عشق تھا وہ کیا جانتی کہ لیلیٰ کیا بلا ہے) ہمارے نفس کا بھی یہی حال ہے ہم اسے (اللہ کی طرف) دوڑاتے ہیں چلتے چلتے ہم غافل ہو جاتے ہیں (چونکہ ہمارا نفس مرغوبات ولذائذ کا عاشق ہے) بس ادھر ہم غافل ہوتے ہیں ادھر ہمارا نفس ہمیں لے کر واپس اپنی مرغوبات کی طرف جا چکا ہوتا ہے۔ کیوں کہ ہمارا نفس مادیات اور مرغوبات کا عاشق ہے۔

بالآخر یہ ہوا کہ مجنون صورتِ حال کو سمجھ گیا کہ اونٹنی کو اپنے بچے سے عشق ہے اس لیے اس کا آنا مشکل ہے تو مجنون یہ کہہ کر اونٹنی سے اتر پڑا اور کہا کہ میں یونہی چلا جاتا ہوں کیوں کہ میرا اور میری اونٹنی کا معشوق جدا جدا ہے [1] (اس لیے ایک سمت پر سفر کرنا مشکل ہے۔) بہر حال یہاں جو روح کی سواری ہے یعنی جسم انسانی، تو جسم اور روح کا سفر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے یعنی خواہشات سے اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور خوشنودی کی طرف اور یہ سفر اس سواری کے ساتھ ہی طے کرنا ہوگا یہاں مجنون والے واقعے کی صورت نہیں ہو سکتی کہ سوار سواری سے اتر کر جائے کیوں کہ یہاں یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ اس توازن کو برقرار رکھنے کے لئے اللہ پاک نے شریعت بھیجی ہے اور قرآن وسنت کا قانون نازل فرمایا ہے جس میں روح اور جسم دونوں کی ضروریات، اور دونوں کے

[1] دیکھئے معارف مثنوی حصہ اول ص ۳۰۷.

تقاضوں کے پورا ہونے کے راستے بتلا دیے گئے ہیں۔ مثلاً یہ چیز کھانی چاہئے یہ نہیں کھانی چاہئے یہ کام کرنا چاہئے یہ نہیں کرنا چاہئے۔ ایسا ہی مثلاً یہ کام فرض ہے، یہ واجب ہے اور یہ سنت ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح سے شریعت مطہرہ نے جسم اور روح دونوں (سے متعلق احکامات نازل فرما کر ایک طرح سے دونوں) کے درمیان اعتدال پیدا فرمایا۔ (لہٰذا مکمل شریعت پر عمل کرنے سے دونوں کی ضروریات احسن واکمل طریقے سے پوری ہوسکتی ہیں اور دونوں کے تقاضے بھی پورے ہوسکتے ہیں)

چھٹی مجلس

ہمیشہ طالب بن کر رہیں، کامل نہ بنیں!

اللہ تعالیٰ طلب والوں کو دیتے ہیں

(خطبۂ ابتدائیہ کے بعد)

انسان کو ہدایت دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن اللہ رب العالمین جل جلالہ نے ہر چیز کے لیے ایک دستور، ایک قانون اور ایک سنت بنائی ہے۔ چنانچہ ''ہدایت'' کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے یہاں قانون اور دستور یہ ہے کہ ہدایت صرف اسی کو ہی ملے گی جس کو اللہ دیں گے ہمارا ابھی ایمان ہے کہ ہدایت صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتے ہیں اور جس کو اللہ ہدایت دیتے ہیں بس اسی کو ہی ہدایت ملتی ہے (یعنی کسی اور کو کہیں اور سے ہدایت نہیں مل سکتی) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کس بنیاد پر دیتے ہیں اور کن لوگوں کو دیتے ہیں۔ کیوں کہ بہت بڑے بڑے لوگ اس دنیا سے بغیر ہدایت کے ہی چل بسے ہیں مثلاً: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد یا چچا کافر تھے، آنحضرت نبی کریم ﷺ کے چچا ابوطالب نے اسلام قبول نہیں کیا حالانکہ اسے نبی کریم ﷺ سے محبت بھی تھی اور آپ ﷺ کی حمایت میں تلوار بھی اٹھاتا تھا، (نیز یہ کہ خود حضور ﷺ کی بھی بہت زیادہ چاہت تھی کہ اسے ہدایت مل جاتی لیکن نہ ملی) اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا اور ان کی ماں یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی، دونوں ہدایت سے محروم تھے کافر تھے، اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی اہلیہ کافرہ تھی۔ اس طرح پوری ایک تاریخ ہے کہ بہت بڑے بڑے لوگوں کو ہدایت نہیں ملی تو اب سوال یہ ہے کہ ہدایت کا اصول کیا ہے، ہدایت کیسے ملتی ہے؟ (جواب آرہا ہے اسے یاد رکھیں حضرت کا یہ بیان فجر کی نماز کے بعد کا ہے غالباً، چونکہ اس وقت نیند کا غلبہ

ہوتا ہے، اس لیے شاید بعض ساتھی اونگھ رہے تھے اس لیے حضرت نے فرمایا کہ) جاگ جائیں! کون سورہا ہے، تم میں سے جو سورہا ہے وہ ہاتھ اٹھائیں (یہ حضرت نے مزاحاً فرمایا ایسے وقت کی شگفتہ بیانی کی حکمت یہ تھی کہ طبعیت خوش ہوکر ہشاش ہوجاتی تھی جس کی وجہ سے سستی اور نیند کا غلبہ ختم ہوجاتا تھا)

ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے قانون یہ بنایا ہے کہ جس انسان کے اندر طلب ہوگی، ہدایت صرف اسی کو ہی ملے گی۔ بس یہ چھوٹی سی بات ہے کہ جس کے اندر بھی حق اور ہدایت کی طلب ہوگی تو ایسے طالب پر کبھی بھی ہدایت کا راستہ بند نہیں ہوگا۔ جبکہ بے طلبوں کو ہدایت نہیں ملے گی، اسی وجہ سے بڑے بڑے انبیاء کرام علیہم السلام کے رشتہ داروں کو ہدایت نہیں ملی کیوں کہ ان لوگوں میں طلب نہیں تھی اور ہدایت کے لیے طلب شرط ہے، بغیر طلب کے قطعاً بھی ہدایت نہیں ملتی۔

یہ جو لوگ (یہود و نصاریٰ وغیرہ باطل مذاہب والے) اپنے گروہ اور جماعتی خول میں بند رہتے ہیں، انہیں اس وجہ سے ہدایت نہیں ملتی کہ وہ جماعتی خول میں بند رہتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی ترقی نہیں ہوتی (کیوں کہ وہ اپنے حال پر قانع اور مطمئن ہوتے ہیں) وہ لوگ اپنے جماعتی خول سے باہر ہی نہیں جھانکتے حالانکہ حق ان کی جماعت سے باہر بھی تو ہوسکتا ہے (جبکہ ایسا ہی تھا یعنی حق ان کی جماعتی خول سے باہر ہی تھا) اس لیے یہودی یہودی ہی رہا کیوں کہ اس نے باہر جھانکا ہی نہیں یعنی ہدایت طلب ہی نہ کی۔ سو ہدایت بھی نہ ملی۔ البتہ جن لوگوں نے باہر جھانکا یعنی طلب کی تو انہیں ہدایت بھی ملی۔

(اکثر یہ دیکھا گیا ہے) کہ ہدایت اکثر ان لوگوں کو ملتی ہے کہ جو پہلے سے زیادہ مذہبی نہ ہوں (یعنی کسی قدر خالی الذہن ہوں) اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ خالی الذہن ہوتے ہیں، پہلے سے کسی دائرے میں بند نہیں ہوتے اس لیے وہ فوراً حقائق قبول کر لیتے ہیں۔ بڑی عمر کے لوگ اس وجہ سے حق کو قبول نہیں کرتے کہ وہ کافی عرصہ ایک ہی بات پر رہ کر پختہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ یہودی (وقت کے پیغمبروں علیہم السلام کے جواب میں) یہی بات کہتے تھے: (جیسا کہ قرآن نے

گواہی دی ہے کہ یہود کہا کرتے تھے:)

قُلُوْبُنَا غُلْفٌ (البقرہ: ۸۸)

''ہمارے قلوب محفوظ ہیں۔'' (بیان القرآن)

اصلی بات یہ تھی کہ ان میں (یعنی یہودیوں میں) حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہ تھی جیسے کہ راکھ انگاروں سے آگ نہیں پکڑتی (انگارے انگاروں سے آگ لے لیتے ہیں جب تھوڑی ہوا لگتی ہے یا کوئی پھونک مارتا ہے کہیں اگر کچھ انگارے ہوں اور باقی راکھ ہو تو چاہے کوئی لاکھ پھونک ہی کیوں نہ مارے تب بھی راکھ آگ نہیں پکڑے گی کیوں کہ راکھ میں تو یہ صلاحیت ہی نہیں) تو اس میں انگاروں کا کوئی تصور نہیں ہے بلکہ تصور راکھ کا ہی ہے کیوں کہ اس میں آگ قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ اسی طرح جس نے اپنے ضمیر کو راکھ کر دیا تو وہ ہدایت کی شمعوں سے روشن نہیں ہوسکتا۔ بہرحال! آپ ہمیشہ طالب بن کر رہیں، ترقیات جاری رہیں گی ترقی خواہ دنیاوی کام میں ہو یا اخروی کاموں میں بہرحال ترقی طلب سے ملتی ہے طلب والوں کو ملتی ہے میرا بھی تجربہ ہے آپ نے بھی دیکھا ہوگا کہ مثلاً جو شخص ایک بار عالم ہوگیا، درس نظامی سے فارغ ہوگیا (پاکستان میں تقریباً ہر سال ہزاروں طلباء عالم بنتے ہیں تقریباً ساٹھ ہزار کے لگ بھگ ہوتے ہیں جن میں سے اکثر فراغت کے بعد اپنی حالت پر قناعت کرتے ہیں کہ بس جو پڑھا وہی پڑھاتے رہتے ہیں اس لیے وہ ترقی بھی نہیں کرتے ہیں البتہ کچھ تھوڑے فارغ التحصیل طلباء ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو کہتے ہیں کہ ہم نے نہیں سیکھا ہے اس لیے ہم مزید سیکھیں گے تو وہ کتابیں دیکھتے رہتے ہیں، چلتے رہتے ہیں، سیکھتے رہتے ہیں (یہاں تک کہ وہ حیران کن ترقیاں حاصل کر لیتے ہیں، ترقیاں اس لیے حاصل کرتے ہیں کہ وہ طالب رہتے ہیں) جب تک آدمی یہ کہتا رہتا ہے کہ میں نہیں جانتا تب تک وہ طالب رہتا ہے اسی طرح یہ کہ کوئی سوچے کہ میرے اندر کمی ہے روحانی، اخلاقی، دینی غرض کسی بھی طرح کی کمی ہے تو ایسا شخص ترقی کرے گا۔

اور اگر کوئی کسی بھی حوالے سے خود کو پورا خیال کرے گا تو اس حوالے سے اس کی ترقی رک

جائے گی۔ کیوں کہ جو آدمی خود کو کم سمجھتا ہے تو وہ آگے بڑھنے کا آرزومند ہوتا ہے اس لیے اسے ترقی بھی ملتی ہے اس کے برخلاف جو آدمی خود کو پورا خیال کرے گا تو وہ خود کو آگے بڑھنے کا آرزومند ہی نہیں سمجھے گا اس لیے اسے ترقی بھی نہیں ملے گی تکبر میں (منجملہ دیگر بڑے بڑے نقصانات کے) ایک نقصان یہ بھی ہے کہ متکبر آدمی خود کو پورا سمجھتا ہے۔ اس وجہ سے وہ آرزومند بھی نہیں ہوتا اور اسی وجہ سے اس پر آگے بڑھنے کے راستے بھی نہیں کھلتے۔

حق تک پہنچنے کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں

حق تک پہنچنے کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں۔ (۱) طلب۔ (۲) کوشش۔

ایک ہے طلب حق اور دوسری چیز ہے کوشش۔ طلب حق کا درجہ پہلے ہے کیوں کہ طلب ہوگی تو وہ طلب اس کو کوشش پر آمادہ بھی کرے گی۔

واقعہ

میرے یہاں (خانقاہ دارالایمان والتقویٰ کربوغہ شریف میں) ''تیرہ'' (صوبہ سرحد کے ایک علاقے کا نام ہے) سے دو بوڑھے آتے تھے جوڑ میں۔ ان میں سے ایک کا تو انتقال ہوگیا ہے جبکہ دوسرے ابھی حیات ہیں (یہ 2008ء ستمبر تک کی خبر ہے) ان دونوں بوڑھوں سے متعلق ان کے علاقے میں یہ بات مشہور تھی کہ دو یا بے بستر اٹھا کر جنت کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں کہ کہیں جنت مل جائے اور وہ دونوں واقعی ایسے ہی تھے وہ کہتے تھے کہ بس کہیں نہ کہیں ہمیں جنت مل جائے۔

ان میں سے ایک بزرگ ایک مرتبہ یہاں آئے تھے جوڑ کے موقع پر (رمضان کا مہینہ تھا، ایک رات انہوں نے) سحری کھائی، روزہ رکھا، فجر کی اذان پر روح پرواز کرگئی (انا للہ وانا الیہ راجعون) پھر اسے ہم نے وہاں تیرہ پہنچایا۔ تو میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دیکھیں وہ

دو بزرگ بڑی عمر ہو جانے کے باوجود اخیر دم تک کوشش کرتے رہے کہ کچھ نہ کچھ کرنا چاہئے۔

تو جب طلب ہوگی ترقی ہوگی۔ پھر طلب جتنی شدید ہوگی ترقی بھی اتنی ہی شدید ہوگی لیکن جب تم قانع ہو جاؤ گے تو تمہاری ترقی رک جائے گی، بلکہ ترقی ہی نہیں رکے گی ساتھ تنزل بھی شروع ہو جائے گا۔ یہ نہ سوچیں کہ میں وہی (اپنی سابقہ حالت پر ہی) رہوں گا۔ کیوں دنیا میں یہی دو چیزیں ہیں یا اوپر جاؤ گے یا نیچے آؤ گے (سوائے ایک مقام کے کہ وہاں آدمی ٹھہر جاتا ہے) مثلاً آپ ایک گیند اٹھائیں اور پوری قوت کے ساتھ اوپر کی طرف اچھالیں تو جتنی دیر تک تمہاری قوت اس کے تعاقب میں ہوگی وہ اوپر چلتی چلی جائے گی لیکن جوں ہی وہ اسٹیم ختم ہوگی تو پھر گیند وہاں فضا میں رکے گی نہیں بلکہ نیچے آنی شروع ہو جائے گی۔ سوائے ایک مقام کے کہ وہاں پہنچ کر گیند ٹھہر جائے گی ہمارے لیے وہ مقام ''موت'' ہے، موت ہمیں ایک حال پر ٹھہرا دے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ کبھی بھی آپ کو آپ کا کوئی بھی حال خواہ وہ دینی ہو یا روحانی، اخلاقی ہو یا علمی بہرصورت وہ تمہیں قانع نہ کر دے (کہ بس مثلاً اب میں پورا ہوں) بلکہ ہمیشہ ہر اعتبار سے اپنے آپ کو کم سمجھیں اور طالب رہیں کہ مجھے اور ترقی مل جائے۔ اس طرح کرنے سے آپ آگے بڑھتے رہیں گے (اور یہ قاعدہ کہ طلب سے ترقی ملتی ہے صرف دینی امور میں ہی نہیں چلتا بلکہ دنیاوی امور میں بھی یہی قاعدہ ہے) دنیا میں بھی یہی ہے کہ جو مزید کا طالب ہوگا وہ ترقی کرے گا، اور جو مزید کا طالب نہیں ہوگا وہ گر جائے گا۔

واقعہ

میرے ایک عزیز ہیں ان کے ایک دوست ہیں جن کے والد صاحب بڑے مالدار آدمی تھے انتقال کر گئے ساری دولت بیٹے کو میراث میں ملی تو وہ پیسوں کو بڑا اڑانے والا شخص تھا چونکہ مالدار تھا اس لیے فکر بھی نہ تھی بس کھاتا گیا کھلاتا گیا، مال اڑاتا رہا۔ ان سے کسی (خیر خواہ) نے کہا کہ اللہ کے بندے کاروبار کرو مال کو ترقی دو تمہارے والد نے محنت کی (تم بھی محنت کرو) اس نے

ان (مشورہ دینے والے) کو یہ جواب دیا میرے دادا نے کمایا تھا آخر کار میرے والد کے لیے چھوڑ کر چل بسے۔ میرے والد نے اور زیادہ کمایا خود نہیں کھایا (آخر کار) وہ بھی دنیا سے چلے گئے۔ اب (سارا مال میرے پاس آ گیا ہے) میں بھی نہ کھاؤں تو کھائے گا کون؟ اس کی (جاگیر میں) اسلام آباد میں کوٹھیاں تھیں سب بیچ کر کھالی تھیں۔ تو ایسا آدمی کیا ہوگا کنگال ہوگا۔

بہر حال میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ملے گا طلب کے ساتھ۔ اور ہدایت بھی طلب سے ہی ملتی ہے۔ کبھی بھی اس بات پر دھوکہ نہ کھائیں کہ مثلاً میں بڑے باپ کا بیٹا ہوں، یا یہ کہیں اچھی جماعت کا رکن ہوں یہ بات آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے کیوں کہ نبی کریم ﷺ کی جماعت سے اچھی جماعت کس کی ہوگی (کسی کی ہو ہی نہیں سکتی) پھر بھی اس میں رہنے والے لوگ بعض مرتد اور بعض منافق ہیں (اگر چہ وہ حقیقتاً آپ ﷺ کی جماعت کے افراد تھے ہی نہیں بس ظاہراً آپ ﷺ کی جماعت سے وابستہ تھے) اس لیے اس بات کا بڑا خیال رکھیں کہ ہمیشہ طالب بن کر رہیں کامل نہ بنیں۔

ساتویں مجلس

دل کی آنکھ مجاہدے سے کھلے گی

آنکھیں اللہ تعالیٰ کو نہیں پاسکتیں

(خطبۂ ابتدائیہ کے بعد) کچھ دن پہلے میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ رب العالمین جل جلالہ احدوصمد ذات کے لیے کوئی چیز حجاب نہیں بن سکتی۔ میں نے یہ عرض کیا تھا کہ صرف ہماری آنکھیں اس کو نہیں پاسکتیں یعنی ہماری آنکھوں کے اندر اتنی قوت ہی نہیں ہے اس دنیا میں کہ وہ اللہ رب العزت کی عظیم ذات کو دیکھ سکیں باقی اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی حجاب نہیں ہے۔ انسان کا دل اپنے رب کو پاتا ہے مگر دل اندھا ہو جائے تو پھر اس اندھے پن کی وجہ سے وہ ساری کائنات کو دیکھتا ہے لیکن اپنے رب کو نہیں دیکھتا۔ یہ بات یاد رکھیں کہ جو دل اس مخلوق میں اللہ کی طاقتوں کا مشاہدہ نہیں کرسکتا تو وہ دل اندھا دل ہے۔ ایسے دل کو قرآن کریم کی زبان (اصطلاح) میں ''اعمٰی'' دل کہا جاتا ہے۔ اعمٰی کا مطلب ہے اندھا۔ اس دنیا میں اندھا رہا آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا کیوں کہ اس نے پوری کائنات کو تو دیکھا لیکن اس کائنات میں اللہ کی طاقت اور قدرت کو نہیں دیکھا۔ بہرحال اس پر میں نے پورا بیان کیا تھا (جو کہ آئندہ کے صفحات میں آرہا ہے) کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھا ہوتا ہے۔

آج آپ اس بات کو سمجھیں کہ جب آپ مخلوق میں خالق کا مشاہدہ نہ کریں تو آپ مخلوق کے غلام بن جائیں گے مخلوق کے تابع ہو جاؤ گے کیوں کہ تمہیں ایسی صورت میں پھر مخلوق سے ہی ملتا ہوا نظر آتا ہوگا اب ظاہر ہے کہ جس سے ملتا ہوا نظر آئے گا غلامی اسی کی کرے گا۔ (اس بات کو مثال سے سمجھیں کہ) اگر کوئی بادشاہ کسی غلام کو کچھ رقم بھجوائے وزیر کے ہاتھوں، اب جب

وزیر وہ مال لے کر اس غلام کے پاس جائے گا تو اب اگر غلام کو یہ بات معلوم نہ ہوئی کہ رقم کس نے بھیجی ہے تو وہ لامحالہ وزیر کا احسان مند ہوگا نہ کہ بادشاہ۔ یعنی وہ غلام بادشاہ کے غلام کے بجائے وزیر کا غلام بن جائے گا۔ ایسا ہی جب دل کی آنکھ اندھی ہوجاتی ہے تو پھر لوگ مخلوق کے غلام بن جاتے ہیں لیکن اگر آپ کے دل کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اور آپ ان سے اپنے رب کا مشاہدہ کرتے ہیں، اللہ کی طاقتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں تو مخلوق تمہارے لیے مسخر ہوجائے گی۔

مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ

''جو اللہ کا ہوجاتا ہے اللہ اس کے ہوجاتے ہیں۔''

آپ جب خدا کے ہوں گے یعنی اللہ کی قدرتوں کا مشاہدہ کریں گے یعنی آپ اللہ کی قدرت کو دیکھتے ہوں، اللہ کی معرفت حاصل ہو۔ تو پھر مخلوق آپ کی غلام بن کر رہے گی۔ لیکن جب تم مخلوق میں خالق کی قدرت و طاقت کا مشاہدہ نہیں کرو گے تو آپ مخلوق کے غلام بن جاؤ گے تو جب آپ مخلوق کا غلام بن جائیں گے تو پھر خالق کی حقیقی غلامی اور بندگی سے تم محروم رہ جاؤ گے اس لیے دل کے اندھے پن کو دور کرنے کی ضرورت ہے دل کا اندھاپن دور ہوگا مجاہدے سے اس لیے اب یہ سمجھیں کہ مجاہدہ کس چیز کا نام ہے؟

مجاہدہ، لذات، مألوفات، مرغوبات اور نفسانی حرام خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے لیے چھوڑ دینے کا نام ہے۔ یعنی مرغوبات اور نفس کی خواہشات وغیرہ کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی مرضیات کو اپنانا، اللہ تعالیٰ کے احکامات پر چلنا، فرائض وواجبات و مستحبات پر چلنا اسی طرح جو چیزیں اللہ نے منع کی ہیں ان سے بچنا منع ہونا، اس کے لیے مشکلات کو اٹھانا اور جدوجہد کرنا۔ (یہ ہے مجاہدہ)

ایک عاشق اور ایک گھڑے کی گفتگو

مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک نوجوان ایک لڑکی پر عاشق ہوگیا۔ وہ لڑکی

کنویں سے روزانہ پانی بھرنے کے لیے جاتی تھی، پہلے زمانے میں یہ ہوتا تھا کہ کنویں کم ہوتے تھے عام طور سے گھروں میں کنویں نہیں ہوتے تھے بلکہ دور دور کہیں کنویں اور کہیں چشمے ہوا کرتے تھے لوگ وہاں سے پانی بھر کر گھروں میں لایا کرتے تھے) خیر وہ عاشق نوجوان تھا بڑا شرمیلا۔ بس راستے میں بیٹھ کر صرف اس لڑکی کو دیکھتا رہتا تھا، اس لڑکی کے ساتھ کوئی سلام کلام نہ کر سکا۔ کافی عرصہ گزرنے کے بعد ایک مرتبہ اس لڑکے نے (اتنی ہمت کی کہ) اس گھڑے کو مخاطب کیا جو اس لڑکی کے بغل میں تھا مخاطب کر کے وہ نوجوان کہنے لگا:

''تم بہت خوش قسمت ہو کہ میرے محبوب کی گود میں ہو'' چونکہ لڑکا شرمیلا تھا اس لیے صرف گھڑے کو ہی (بمشکل) یہ بات کہہ سکا تو گڑھے نے بزبانِ حال) اسے یہ جواب دیا کہ میں جو بغل میں ہوں (اور مقام قرب سے لطف اندوز ہوں) تو یونہی بغل میں نہیں آیا ہوں بلکہ میں نے بہت مشقت اٹھائی ہے۔ پہلے کمہار نے مٹی کو جمع کیا، پھر پانی میں ڈالا، پھر پاؤں سے روندا بہت مشکلیں مجھ پر گزریں۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ اس نے مجھے گھڑا بنالیا چونکہ اس وقت میں خام تھا اس لیے اس نے مجھے گرمی میں رکھا، سخت کڑی دھوپ میں رکھا، میں نے وہ دھوپ برداشت کی، اس کے بعد بھی مجھے نہ چھوڑا بلکہ پھر تو مجھے اور بہت سارے گھڑوں کے ساتھ آگ میں ڈال دیا جب میں خوب پک گیا تو اس نے مجھے انگلی مار کر ٹھوک بجا کر چیک کیا (چونکہ میں پک چکا تھا، مضبوط بھی ہو گیا تھا اس لیے اس ٹھوک سے کمہار کو میری پختگی کا اندازہ ہو گیا اور اس نے مجھے پاس کرتے ہوئے کہا) ٹھیک ہے۔ غرض یہ کہ اس کے بعد میں اس قابل ہوا کہ محبوب کی گود میں آ گیا۔

مقصود اس قصے سے یہ ہے کہ یونہی کہیں بیٹھ کر خالی دیکھتے رہنے سے خدا نہیں ملا کرتا بلکہ اس کے لیے آدمی کو مجاہدہ کرنا چاہیے، گرمی، دھوپ، پیاس غرض یہ کہ اس طرح کی مشقتیں انسان برداشت کرتا ہے اور لذائذ کو قربان کرتا ہے تب جا کر ایک وقت آتا ہے کہ آدمی اپنے رب کے آغوشِ رحمت میں چلا جاتا ہے۔

آٹھویں مجلس

حضرت نوح علیہ السلام سے متعلق

مشہور ایک غلط اور بے بنیاد واقعہ

انبیاء کرام علیہم السلام کی مرضی اللہ کی مرضی میں فنا ہوتی ہے

(خطبۂ صدارت کے بعد)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِکَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝ وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ (ھود: ٣٦، ٣٧)

''اور نوح کے پاس وحی بھیجی گئی کہ سوا ان کے جو (اس وقت تک) ایمان لا چکے ہیں اور کوئی (نیا) شخص تمہاری قوم میں سے ایمان نہ لائے گا سو جو کچھ یہ لوگ (کفر وایذا واستہزاء) کر رہے ہیں اس پر کچھ غم نہ کرو۔ اور (تم اس طوفان سے بچنے کے لیے) ہماری نگرانی اور ہمارے حکم سے کشتی تیار کرلو اور (یہ سن لو کہ) مجھ سے کافروں (کی نجات) کے بارے میں کچھ گفتگو مت کرنا (کیوں کہ) وہ سب غرق کیے جائیں گے۔'' (بیان القرآن)

(مذکورہ بالا دو آیات میں) حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے انہیں وحی کی کہ تمہاری قوم میں سے اب کوئی بھی ایمان نہیں لائے گا (جتنے لوگ ایمان لا چکے تھے ان کے علاوہ لوگ مراد ہیں) اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا کَانُوْا

یَفْعَلُوْنَ ‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کو ایک طرح سے تسلی دے رہے ہیں کہ) آپ غم نہ کریں ان کاموں پر جو یہ لوگ کرتے ہیں بلکہ آپ ہمارے روبرو اور ہمارے حکم سے کشتی بنائیں۔ اور ظالموں کے حق میں مجھ سے کوئی بات نہ کریں، بے شک وہ غرق کیے جائیں گے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی مرضی اللہ کی مرضی میں فنا ہوتی ہے۔ وہ ہماری طرح نہیں ہوتے کہ ہماری مرضی اور ہے اور خدا کی مرضی اور ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی مرضی تو اللہ کی مرضی میں فنا ہوتی ہے، اب ظاہر ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام سے یہ کہا گیا کہ ’’اب تمہاری قوم میں سے ایمان لانے والا کوئی نہیں‘‘ اس کے ساتھ ہی ان لوگوں کے غرق کیے جانے کی اطلاع بھی دی گئی اور ساتھ ہی ظالموں کے حق میں دعا کرنے سے بھی آپ علیہ السلام کو منع کیا گیا اب حضرت نوح علیہ السلام کیا کرتے؟ اس لیے حضرت نوح علیہ السلام نے سوچا کہ موجود لوگوں میں سے مزید کوئی مسلمان نہ ہوگا۔ اب اگر یہ کافر لوگ باقی رہیں تو ان کی اولادیں بھی ہوں گی اور ظاہر ہے کہ وہ بھی کافر ہی ہوں گے۔ تو جو تھوڑے بہت مسلمان لوگ ہیں ان کی نیک اولادوں پر کافروں کی اولاد غالب آ کر انہیں بھی کافر بنا دے گی اور جب کہ ان کافروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرما چکے ہیں:

انهم مغرقون (هود: ۳۷)

’’وہ سب غرق کیے جائیں گے۔‘‘ (بیان القرآن)

اب چونکہ پیغمبر علیہ السلام کی مرضی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع اور اس میں فنا ہوتی ہے (جیسے کہ عرض کیا گیا ہے) تو اس لیے حضرت سیدنا نوح علیہ السلام نے بھی یہی چاہا کہ یہ کافر لوگ غرق ہی ہوں (اس لیے کہ اللہ ان کا غرق ہونا چاہتا ہے) چنانچہ اس سلسلے کی حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا کے الفاظ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے سورۂ نوح میں ذکر کیے ہیں: چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَاتَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّاراً ○ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ

يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ (نوح: ۲۶، ۲۷)

''اور نوح (علیہ السلام) نے (یہ بھی) کہا کہ اے میرے پروردگار! کافروں میں سے زمین پر ایک باشندہ بھی مت چھوڑ (کیونکہ) اگر آپ ان کو روئے زمین پر رہنے دیں گے تو آپ کے بندوں کو گمراہ ہی کر دیں گے اور (آگے بھی) ان کے محض فاجر اور کافر ہی اولاد پیدا ہوگی۔'' (بیان القرآن)

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ط قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (البقرہ: ۱۲۴)

''اور جس وقت امتحان کیا حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا ان کے پروردگار نے چند باتوں میں اور وہ ان کو پورے طور بجالائے (اس وقت) حق تعالیٰ نے (ان سے) فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا مقتدا بناؤں گا۔'' (بیان القرآن)

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چند کلمات سے آزمایا تو وہ واقعی پورے پورے اترے۔ گھر (چھوڑ دینے کا اللہ کی طرف سے حکم ہوا تو گھر) چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے خاندان چھوڑا وقت کے بادشاہ کا مقابلہ کیا۔ اللہ کے لیے آگ میں کود ے، بیوی اور بچے کو (اکلوتے بچے کو) مکہ مکرمہ کے پہاڑوں میں چھوڑا، بیٹے کی گردن پر چھری چلانے کا حکم ہوا تو اس پر چھری چلادی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ قربانی دوسری صورت میں قبول کی۔ بہرحال جب حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام ان تمام آزمائشوں میں پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے (بطور انعام کے) فرمایا:

اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (البقرہ: ۱۲۴)

''میں تم کو لوگوں کا مقتدا بناؤں گا۔'' (بیان القرآن)

اللہ نے فرمایا کہ میں تمہیں امام، پیشوا بنا تا ہوں۔ لوگ تمہارے پیچھے چلیں گے (آپ علیہ

السلام مسلمان بننے کا نمونہ ہوں گے یعنی) مسلمان ایسے ہوتا ہے (جیسے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام تھے) بہر حال جب اللہ تعالیٰ نے انہیں خوش خبری دی کہ میں آپ کو امام بناتا ہوں، تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی:

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي (البقرہ: ۱۲۴)

''انہوں نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے بھی کسی کسی کو (نبوت دیجئے)۔'' (بیان القرآن)

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا:

لَايَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (البقرہ: ۱۲۴)

''میرا (یہ) عہدہ (نبوت) خلاف ورزی کرنے والوں کو نہ ملے گا۔'' (بیان القرآن)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو نیک ہوں گے آپ کی اولاد میں سے انہیں ہم امامت دیں گے لیکن جو ظالم ہوں گے انہیں نہیں ملے گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فنا فی اللہ ہونا دیکھیے

جب حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ایک مرتبہ یہ معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو (امامت) نہیں دیتے تو (اس سے آپ علیہ السلام یہ سمجھے کہ شاید اللہ تعالیٰ دوسری چیزیں بھی کافر لوگوں کو نہیں دیتے ہوں گے چنانچہ انہوں نے کسی اور موقع پر ایک اور دعا مانگی ہے جس کا انداز آپ ملاحظہ فرمائیں ابراہیم علیہ السلام کی ایک اور دعا دیکھیں جس میں وہ خود ہی ظالموں کو الگ کر دیتے ہیں:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ (البقرہ: ۱۲۶)

''اور جس وقت ابراہیم (علیہ السلام) نے (دعا میں) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اس کو ایک (آباد) شہر بنا دیجئے امن (وامان) والا اور اس کے بسنے والوں کو پھلوں سے بھی

عنایت کیجئے ان کو (کہتا ہوں) جو کہ ان میں سے (اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہوں) دیکھیے اس دعا میں پھل میوے وغیرہ صرف مسلمانوں کے لیے مانگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اس دنیا میں تو ہم کافروں کو بھی دیں گے چنانچہ اللہ فرماتے ہیں:

قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهُ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ (البقرہ:۱۲۶)

''حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اور اس شخص کو جو کہ کافر رہے سو ایسے شخص کو تھوڑے روز تو خوب آرام برتاؤں گا پھر اس کو کشاں کشاں عذاب دوزخ میں پہنچاؤں گا۔'' (بیان القرآن)

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی کہ اس شہر کو امن والی جگہ بنادیں، اپنے میووں میں سے یہاں کے رہنے والوں کو پھل دے دیں، رزق دے دیں، آگے فرمایا کہ جو مسلمان ہو (یہ اس لیے فرمایا کہ اس سے پہلے ایک دعا میں جس میں آپ علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لیے امامت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری اولاد میں سے جو ظالم ہوں گے انہیں امامت نہیں مل سکتی اس بناء پر اب اس دعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا کو صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص کر دیا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کافر ہیں انہیں بھی تھوڑا دیں گے اس دنیا میں کیوں کہ یہ معاملہ رزق کا ہے اس لیے دیں گے اور وہ معاملہ امامت کا تھا اس لیے نہیں دیں گے۔ کیوں کہ امامت مسلمانوں کو ہی ملتی ہے۔ باقی دنیا کفار کو بھی ملتی ہے۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا ذوق دیکھیں کہ کیسے انہوں نے اپنی مرضی اللہ کی مرضی میں ملائی ہوئی ہے۔ ہمیشہ یہ بات یاد رکھیں علماء کرام کو درخواست کروں گا (کہ وہ خاص طور پر اس بات کو یاد رکھیں) اسی طرح جو لوگ دین کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے لگے ہوئے ہیں، لوگوں میں وعظ و نصیحت کرتے رہتے ہیں ان سے بھی یہ درخواست کرتا ہوں کہ ہمیشہ لوگوں کو ایسے وعظ و واقعات سے بچائیں، جن کی وجہ سے لوگوں کے عقائد خراب ہو جاتے ہوں۔

بہت سے مقررین، خطباء، واعظین ایسے ہوتے ہیں کہ وہ وعظ کرتے ہیں، ایک بات لوگوں کو ٹھیک بتاتے ہیں جبکہ دوسری طرف سے لوگوں کے عقائد (دانستہ، یا غیر دانستہ طور پر)

خراب کر دیتے ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ جیسے کسی کوز کام ہو اور ڈاکٹر اسے ایسا ٹیکہ لگا دے جس سے اس کا زکام تو ٹھیک ہو جائے لیکن دوسری طرف مریض (اس ٹیکہ کی وجہ سے) کینسر کا مریض بن جائے تو اس ڈاکٹر نے اچھا کیا یا برا کیا۔ یہ ڈاکٹر سرے سے ڈاکٹر ہی نہیں اگر اچھی حکومت ہو تو ایسوں کو پھانسی دی جائے گی (اس لیے خطباء واعظین اور مقررین حضرات جب بیان کریں، وعظ کریں، تقریر کریں تو واقعات وغیرہ جو سنانے ہوں ان کی اچھی طرح جانچ پڑتال کرلیا کریں کہ کہیں وہ غلط اور بے بنیاد تو نہیں ہے کیوں کہ واقعات کے حوالے سے ایسے کئی بے شمار غلط اور بے بنیاد واقعات مشہور ہیں جن کی سرے سے کوئی حقیقت ہی نہیں اس لیے واقعات کے باب میں خوب احتیاط سے کام لیں اور صرف ثابت و مستند واقعات ہی لوگوں کو سنائیں۔ ذیل میں ایک غلط اور بے اصل و بے بنیاد واقعے کی نشان دہی کی جاتی ہے نیز اس کا ہر طرح سے غلط ہونا بھی ثابت کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو۔)

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں ایک افسانہ (نما واقعہ) مشہور ہے (واقعہ سے پہلے آپ یہ بات اچھی طرح ملحوظ نظر رکھیں کہ خود اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ حکم دیا میرے حکم سے میرے روبرو کشتی بناؤ! اب جو افسانہ (نما واقعہ) سنانے والے لوگ ہیں وہ یہ غلط واقعہ اس لیے لوگوں کو سناتے ہیں کہ تا کہ لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو (حالانکہ وہ بیچارے یہ بات نہیں جانتے کہ جھوٹے واقعات سے نور نہیں پیدا ہوتا بلکہ جھوٹ کی نحوست کی وجہ سے ظلمت پیدا ہوتی ہے) چنانچہ یہ غلط واقعہ کچھ اس طرح ہے۔ یہ واقعہ جو لوگ سناتے ہیں وہ کہتے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو غرق کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ مٹی کے برتن بناؤ چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کمہار تھے، انہوں نے مٹکے بنائے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنائے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ اب ان سب مٹکوں کو توڑ ڈالو۔ اب حضرت نوح علیہ السلام (نعوذ باللہ) ان مٹکوں کو توڑنا نہیں چاہتے تھے چنانچہ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ اے اللہ میں ان مٹکوں کو کیسے توڑوں؟ یہ تو میں نے بڑی محنت سے

بنائے ہیں۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ تم نے تو مجھ سے پوری دنیا تباہ کروادی (نعوذ باللہ گویا کہ خود اللہ تعالیٰ لوگوں کو غرق نہیں کرنا چاہ رہے تھے بلکہ صرف حضرت نوح علیہ السلام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو یہ سب کام کرتے پڑے العیاذ باللہ)

حالانکہ میں نے کتنے قیمتی انسان بنائے تھے (آپ کے کہنے پر تو میں نے ان کو ختم کردیا اب آپ ہمارے کہنے پر) مٹکوں کو بھی نہیں توڑ سکتے (العیاذ باللہ) گویا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر ترس آیا کہ تم اپنے مٹکوں کو نہیں توڑ سکتے اور میرے گھڑے (یعنی بندے) تڑوادیے۔ اب یہ بات کافروں کو تو مزہ دیتی ہے لیکن اس سے ایمان کا کباڑا ہوجائے گا۔ اس واقعے کا دلوں پر جو اثر ہوگا اور اس سے جو عقیدہ اخذ کیا جائے گا (وہ سراسر قرآن وسنت کے اصولوں کے برخلاف ہوگا۔ جس کا اسلام سے کوئی دور کا بھی تعلق نہ ہوگا۔)

حضرت سیدنا نوح علیہ السلام سے متعلق مشہور اس غلط واقعہ کے غلط ہونے کی نقلی اور عقلی وجوہات

☆ پہلی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ قرآن کریم کے مخالف ہے، کیوں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: (جس کا مفہوم یہ ہے کہ)

''میں نے ان سے کہا کہ میں اس قوم کو تباہ کرتا ہوں۔''[1] اس کے بعد پھر حضرت نوح علیہ السلام

---

[1] وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِکَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ٥ وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ٥ (هود: ۳۶)

(ترجمہ) اور نوح کے پاس وحی بھیجی گئی کہ تمہاری قوم میں سے (اب اور کوئی) ایمان نہیں لائے گا بجز اُن کے جو (اب تک) ایمان لا چکے سو جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے ہیں اس پر کچھ غم نہ کرو اور تم کشتی ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے تیار کرو اور مجھ سے ان لوگوں کے باب میں گفتگو نہ کرنا جنہوں نے ظلم کیا ہے وہ ڈوب کر رہیں گے۔ (تفسیر ماجدی)

نے بددعا فرمائی ہے نہ کہ پہلے۔ (حضرت نے اس اثنا میں فرمایا کہ) میں نے یہ واقعہ ہنگو میں ایک صاحب سے سنا جنھوں نے یہ واقعہ وعظ کے دوران سنایا۔ پھر میں نے انہیں سمجھایا بھی (کہ یہ واقعہ غلط ہے دلائل بتائے) تو اس نے کہا کہ واقعی اس میں بڑی گڑ بڑ ہے۔ (پھر اس نے پریشان ہوکر کہا) لیکن ہم تو سناتے رہے۔ میں نے کہا ازالہ کردیں (یعنی اب آئندہ نہ سنائیں)

☆ دوسری بات یہ کہ اگر چہ کمہار ہونا کوئی بری بات نہیں ہے لیکن تم کیوں (بلاتحقیق) پیغمبر کو کمہار بناتے ہو۔

☆ تیسری بات یہ ہے کہ اس واقعہ میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی بڑی کمزوری معلوم ہوتی ہے (کہ مثلاً نوح علیہ السلام نے اللہ کے لیے مٹکے بھی نہ توڑے العیاذ باللہ) عام مسلمان بھی اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے حکم پر سر قربان کرتے ہیں جبکہ ایک پیغمبر کو اللہ تعالیٰ مٹکے توڑنے کا حکم دے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے مٹکے بھی نہ توڑے، حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تو یہ شان ہوتی ہے کہ وہ اگر خواب بھی دیکھتے ہیں کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں تو صبح اپنے بیٹے کو سچ مچ ذبح کرنے لے چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے یہ بھی درخواست نہیں کرتے کہ اے اللہ آخر میرے بچے کا قصور ہی کیا ہے؟ اور وجہ بھی نہیں پوچھتے (کہ مثلاً کیوں ذبح کروں وجہ پوچھنا محبت کے منافی ہے کہ تم نے اشارہ پایا پھر بھی پوچھتے ہو۔ صرف بیٹے سے پوچھا کیوں کہ ذبح تو انہیں کرنا تھا۔ وہ بھی پیغمبر تھے ان سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے کیوں کہ میں نے تو ایسا خواب دیکھا ہے تو بیٹے نے یوں جواب نہیں دیا کہ آپ اپنا خواب پورا کریں بلکہ اس نے کہا:

یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ (الصّٰفّٰت: ۱۰۲)

''وہ بولے کہ ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ (بلا تامل) کیجئے۔'' (بیان القرآن)

بیٹے نے یہ بھی نہ پوچھا کہ ابا جان آپ اللہ تعالیٰ سے پوچھیں کہ میری غلطی کیا ہے تاکہ میں اپنی اصلاح تو کروں۔ تو عرض یہ کر رہا تھا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے اس حد تک اپنی مرضی اللہ تعالیٰ کی مرضی میں ڈبوئی ہوئی ہوتی تھی۔ ایک طرف تو یہ حال ہے جب کہ دوسری طرف

یہ حال ہے کہ مٹکے نہ توڑے۔(نعوذ باللہ)

(حقیقت تو بہرحال ایسی نہیں ہے کیوں کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے) اگر یوں ہوتا تب تو یہ لازم آتا کہ نعوذ باللہ حضرت نوح علیہ السلام سے تو ''ایاز'' بھی اچھے تھے کہ جس نے اپنے بادشاہ محمود کے کہنے پر ایک قیمتی موتی کو صرف اس لیے توڑا تھا کہ میرے آقا کا حکم ہے۔ ؎ جبکہ نعوذ باللہ حضرت نوح علیہ السلام چند معمولی مٹکے بھی اللہ کے لیے نہیں توڑ سکتے تھے۔

☆ چوتھی بات یہ کہ اس سے لوگوں کو تاثر ملے گا کہ گویا (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ کو مستقبل کا علم نہیں اس لئے کبھی کبھی اپنے کاموں پر بعد میں پشیمان بھی ہوتے ہیں۔

☆ پانچویں بات یہ کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ قوم نوح کو تباہ نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت نوح علیہ السلام کے دباؤ کی وجہ سے ان کو ہلاک کیا۔

☆ چھٹی بات یہ کہ یہ واقعہ قرآن مجید کی صریح آیتوں کے سراسر خلاف ہے جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا اب اس غلط واقعے سے امت میں کس قدر بیماریاں پیدا ہوسکتی ہیں اس کا آپ اندازہ لگائیں اور ہمیشہ ایسی باتوں اور واقعات کے سنانے سے احتراز کریں جن سے لوگوں کے عقائد بگڑ جانے کا خدشہ ہو۔

؎ مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

نویں مجلس

ہمیشہ مثبت اور تعمیری سوچ رکھا کریں

سوچ کے اعتبار سے لوگ دو طرح کے ہیں

(خطبۂ ابتدائیہ کے بعد)

کسی چیز کو دیکھنے میں لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں مثلاً کوئی بیماری ہو، کوئی معاملہ ہو تو ان میں دیکھنے والے دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔

☆ ایک قسم کے وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا ذہن فوراً منفی اور تخریبی نتیجہ نکالتا ہے۔

☆ دوسرے قسم کے وہ لوگ ہیں جن کے ذہن فوراً مثبت نتیجہ نکالتے ہیں۔ ان دونوں کے خیالات میں (نتیجہ کے اعتبار سے) بہت بڑا فرق ہے۔ مثلاً ایک آدمی بیمار ہوا وہ کہتا ہے: ''میں بیمار ہوا، اب تو میں ختم ہی ہوگیا، بس میرے لیے تو اب قبر ہی کھودو۔ اس طرح کر کے فوراً منفی نتیجہ نکال لیتے ہیں، اس کے مقابلے میں دوسرا وہ شخص ہے (جو مثبت باتیں سوچتا ہے) اب مثلاً وہ بھی بیمار ہوا (تو وہ اپنی بیماری سے بھی مثبت سوچ نکالے گا)

ہمارے اکابر میں سے ایک بزرگ کی بیماری کا ایک سبق آموز واقعہ

ہمارے اکابر میں سے ایک بڑے بزرگ عالم کو بخار تھا۔ ایک دوسرے عالم نے ان کی عیادت کرتے ہوئے حال دریافت کیا کہ کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا:

''الحمدللہ! ٹھیک ہوں، آنکھیں ٹھیک ہیں، کان ٹھیک، ہیں، ہاتھ ٹھیک ہیں، (غرض یہ کہ کئی

ساری اچھی حالتیں گنوا لینے کے بعد فرمایا) بس ذرا سا بخار ہے وہ بھی اتر جائے گا۔'' اب دیکھیں یہ مثبت سوچ ہے۔ اسی طرح جو آدمی لوگوں کے اندر خوبیاں ڈھونڈتا ہے (خود ان کے اندر بھی خوبیاں جمع ہو جاتی ہیں)

پیر مسرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ پیر مسرت شاہ[1] صاحب اور میں کہیں جا رہے تھے (اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے) تو راستے میں ہمیں ایک آدمی ملا جو بہت اچھے انداز میں سوال کر رہا تھا (بھیک مانگ رہا تھا) لب ولہجہ بڑا اصاف ستھرا تھا، مجھے تو وہ شخص بڑا عجیب لگا۔ لیکن پیر مسرت شاہ صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے مجھ سے کہا کہ اس آدمی میں ایک بڑی خوبی ہے میں نے پوچھا وہ کیسے؟ انہوں نے کہا کہ ان کی آواز بڑی اچھی ہے اگر یہ دیندار ہو کر تقریر سیکھے تو بہت اچھی تقریر کر سکے گا۔ اب آپ دیکھیں یہ ہے مثبت سوچ۔

ایک معذور شخص کی عجیب شکر گزاری

ایک انتہائی معذور شخص (جو کہ ہاتھ پاؤں سے معذور اور آنکھوں سے نابینا تھے) سے کسی نے پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ سب سے زیادہ مہربانی اللہ تعالیٰ کی

---

[1] پیر مسرت حسین شاہ صاحب بحیثیت پروفیسر شعبۂ انگریزی ایک مثالی پروفیسر رہے چونکہ تعلیم کیڈٹ کالج کوہاٹ اور گورنمنٹ کالج لاہور جیسے مثالی اداروں کی تھی اس پر مزید ڈیڑھ سال کا انگلستان کا قیام پھر کہنہ مشق پروفیسر مظہر علی خان کی زندگی کے بالکل آخری سالوں کی شاگردی اسی لئے انگریزی کے مضمون کی مثالی مہارت رکھتے تھے۔ شاہ صاحب کو اپنی ملازمت کے دورانیہ میں تین سال اسلامیہ کالج پشاور کے پرنسپل کے طور پر کام کرنے کا موقع ملا یہ دورانیہ ۴ فروری ۱۹۹۹ء سے ۲۸ جون ۲۰۰۲ء تک ۳ سال چار مہینے چوبیس دن تھا۔ (شاہ صاحب کی بہت خدمات تھیں لوگوں کے اصلاح اور تزکیہ کی فکر بھی کرتے رہے شاہ صاحب کے دو بیٹے ہیں ایک مصعب دوسرا ڈاکٹر معاذ جنہوں نے بیماری کی حالت میں شاہ صاحب کی خوب خدمت کی) آخر ایک دن جانے کا مقرر ہے تین رمضان ۱۴۲۷ھ بروز پیر اس دنیا سے رخصت ہو گئے اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے آمین

میری ساتھ ہوئی ہے۔ پوچھنے والے نے حیرت سے پوچھا کہ کیسے اللہ کی مہربانی زیادہ ہوئی ہے آپ کے ساتھ (حالانکہ بظاہر تو آپ بڑے معذور نظر آتے ہیں) انہوں نے (وضاحت کرتے ہوئے) کہا کہ دیکھیں میں سانس لیتا ہوں یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، ایسا ہی میں کھانا کھاتا ہوں، اللہ تعالیٰ کی نعمت سے مستفید ہوتا ہوں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اور یہ جو میری آنکھیں نہیں ہیں (یہ بھی بظاہر اگرچہ تکلیف و پریشانی ہے لیکن درحقیقت یہ بھی اس اعتبار سے نعمت ہے کہ) اس سے میں آنکھ کے گناہوں سے محفوظ ہوں۔ آنکھیں ہوتیں تو آنکھوں کی ذمہ داری بھی مجھ پر ہوتی۔ اسی طرح ہاتھ پاؤں ہوتے تو ان کی بھی ذمہ داریاں ہوتیں۔ اب شاید میں ان اعضاء کی (بالفرض اگر) ذمہ داریاں پوری نہ کرتا تو تو دنیا میں رسوائی، اور آخرت میں عذاب ہوتا۔

اب جب کہ میرے یہ اعضا نہیں ہیں تب بھی اللہ تعالیٰ مجھے رزق پہنچاتا ہے، اب (اس حالت میں) مجھے حلال رزق ملتا ہے، ہاتھ پاؤں ہوتے تو کیا معلوم اگر میں حرام میں پڑ جاتا تو؟ ایسے ہی اگر آنکھیں ہوتیں اور میں اس سے بدنظری کرتا پھرتا۔ اور اسی طرح میرے جسم میں اور طاقتیں ہوتیں تو شاید میں ان کے گناہ کر ڈالتا، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان نعمتوں کے بدلے قلبی نعمت نصیب فرمائی ہے کہ میں نے صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں حلاوت ڈال دی، ذکر کی حلاوت ڈال دی اور اللہ نے اپنی محبت ڈال دی، اور میرے اعضا نہ ہونے کی وجہ سے (بعض بڑے بڑے) اعمال کا مجھے ثواب بھی ملتا ہے مثلاً میرا دل چاہتا ہے کہ میں جہاد کو جاؤں، لیکن نہیں جا سکتا، مفت ثواب مجھے مل جاتا ہے کیوں کہ ثواب نیت پر ملتا ہے۔ آپ غور کریں کہ مثبت سوچوں والے کہاں چلے گئے۔ جبکہ منفی سوچ والے کا ذہن ہمیشہ صرف برائی کی طرف جائے گا وہ فوراً منفی نتیجہ نکالے گا۔ مثلاً ایک غصے والا آدمی ہے تو منفی سوچ والا اسے دیکھ کر منفی نتیجہ نکالے گا کہ یہ برا آدمی ہے ٹھیک نہیں ہے۔ جبکہ اسی غصے والے آدمی کو مثبت سوچ والا آدمی دیکھے گا تو وہ یوں نتیجہ نکالے گا کہ یہ بڑا پیارا آدمی ہے جذباتی ہے سچا ہے اس لیے غصہ کرتا ہے یعنی جو دل میں ہوتا ہے

وہ زبان پر لاتا ہے[۱] اور اصلاح ہو جائے تو اس کا غصہ کچھ کنٹرول ہو جائے اور اس کا غصہ خیر کی طرف مڑ جائے تو کس قدر مفید انسان بن سکتا ہے۔

مثبت سوچ کا فائدہ اور منفی کا نقصان

☆ مثبت سوچ انسان کو انسان کا ہمدرد بناتی ہے اور وہ ایک دوسرے کے قریب ہو جاتے ہیں۔

☆ منفی سوچ سے انسان دوسروں سے دور ہو جاتا ہے۔

☆ مثبت سوچ انسان کے اندر شکر کا مادہ پیدا کرتی ہے مثلاً وہ کہتا ہے کہ الحمدللہ میں بہت خوش ہوں، بہت کچھ ہے ہمارے پاس۔

☆ منفی سوچ بدگمانی پیدا کرتی ہے، اللہ پر بدگمانی (العیاذ باللہ) لوگوں پر بدگمانی۔

☆ میں ایک مرتبہ کہیں جارہا تھا تو چلتے چلتے ایک آدمی مجھے ملا وہ مجھے کہنے لگا کہ فلاں آدمی بہت برا آدمی ہے۔ میں نے پوچھا کیوں؟ وہ کہنے لگا کہ میں ایک دن جارہا تھا تو اس نے میرے سامنے تھوکا تھا۔ یہ اس نے میرے لیے تھوکا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ نے بلاوجہ بدگمانی کی ہے۔ (حاضرین مجلس سے حضرت نے فرمایا کہ) آپ حضرات میں سے کسی ساتھی نے بدگمانی سے متعلق پوچھا ہے، پرچی میری جیب میں ہے۔ انہوں نے پوچھا ہے کہ بدگمانی کیا ہوتی ہے۔

---

[۱] ہر بات یا واقعہ کو مثبت طور سے دیکھنے کی عادت کا ارتقاء کریں۔ چاہے وہ کتنا ہی تکلیف دے کیوں نہ ہو منفی اور فضول انداز فکر دماغ کو کمزور کر دیتا ہے۔ اسے بے چین مشتعل اور زہریلا بنا دیتا ہے، اپنے ذہنی پہلو اور نکتہ نظر کو دوباری منظم کر کے ہر ایک منفی حالت کو مثبت صورت میں تبدیل کریں۔ یہ کیسے کیا جائے؟ اس کے لئے ایک مثال دیتا ہوں۔ فرض کریں کوئی آپ کو گالی دیتا ہے، یا غصے میں غلط بات کرتا ہے، اس وقت دل میں صرف یہ خیال کریں، کہ وہ شخص ابھی پوری طرح سے سمجھدار نہیں ہوا ہے۔ اور اس کی ذہنی کیفیت ابھی ٹھیک نہیں ہے اس لئے وہ ایسی باتیں کر رہا ہے، لیکن اس شخص کے لئے کسی طرح کے برے خیالات اپنے دل میں نہ لائیں۔ یہ ہوا مثبت پہلو اور رویہ۔ (تعمیر شخصیت کے رہنما اصول)

بدگمانی کیا ہوتی ہے

بدگمانی یہ ہے کہ بغیر کسی مضبوط دلیل کے۔دل میں کسی بری بات کا الزام لگایا جائے کہ فلاں ایسا ہوگا۔ان شاء اللہ بدگمانی کا علاج بھی آگے جا کر بتادوں گا بہر حال۔منفی سوچ بدگمانی پر ڈالتی ہے اللہ تعالیٰ پر بدگمانی جیسے کہ(کوئی یہ سوچے کہ) اللہ نے اسے دیا ہے مجھے کیوں نہیں دیا ہے۔ میں اس سے بہتر ہوں۔(العیاذ باللہ)

شیطان نے بھی یہی کہا تھا کہ میں آدم علیہ السلام سے بہتر ہوں (پھر اس کہنے کی سزا شیطان کو کیا ملی واقعہ محتاج بیان نہیں ہے)

بطور مثال ایک واقعہ

آپ ہمیشہ مثبت سوچ رکھیں۔ایک واقعہ ہے کہ ایک آدمی کسی جنگل میں تھا،وہاں اس نے ایک لومڑی کو دیکھا جو بیچاری معذور تھی۔وہ آدمی سوچنے لگا کہ یہ(تو کہیں آجا بھی نہیں سکتی تو پھر یہ) کیا کھاتی ہوگی،تھوڑی دیر بعد اس نے دیکھا کہ ایک چیتا آیا۔اور جنگلی گائے کی ٹانگ لاکر اس معذور لومڑی کے سامنے رکھ گیا اس آدمی نے یہ منظر دیکھ کر سوچا کہ میں بلاوجہ مشقت اٹھاتا ہوں کہ کما کر کھاتا ہوں،اس لیے مجھے کہیں آرام سے بیٹھ کر کھانا چاہئے کیوں کہ جو اللہ اسے دے سکتا ہے وہ مجھے بھی تو دے سکتا ہے (چنانچہ یہ سوچ کر وہ کسی غار میں آکر بیٹھ گیا) وہ غار میں بیٹھا تھا کہ ایک آدمی نے اسے دیکھا تو پوچھا کہ بھئی یہاں بیٹھے کیا کرر ہے ہو،انہوں نے ان کو وہ لومڑی والا واقعہ سنایا(ساتھ یہ بھی بتایا کہ میں اس لیے بیٹھا ہوں کہ بس بغیر محنت ومشقت کے آرام سے بیٹھ کر کھاؤں) اس آدمی نے ان سے پوچھا کہ یہاں کب سے بیٹھے ہو اس نے کہا تین دن ہو گئے ہیں (ساتھ یہ بھی بتایا کہ ان تین دنوں میں میرے کھانے کے لیے کوئی بھی چیز یہاں نہیں آئی۔تب انہوں نے ان کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ) تم نے غلط سوچا ہے کیوں کہ تم نے معذور

لومڑی سے سبق سیکھ لیا ہے تم نے چیتے سے سبق کیوں نہیں سیکھا کہ وہ خود بھی کھاتا ہے اور اوروں کو بھی کھلاتا ہے۔ تم نے اپنے آپ کو بلا وجہ معذور بنالیا ہے حالانکہ تم تو ٹھیک ہو (کما کر کھا سکتے ہو تو پھر کیوں یہاں آئے بیٹھے ہو) مطلب (کہنے کا) یہ ہے کہ سوچوں میں بھی بڑا فرق ہوتا ہے۔ منفی سوچ بڑی نقصان دہ اور مثبت سوچ دنیا و آخرت کے لحاظ سے بڑی مفید ثابت ہوتی ہے۔

خانہ بدوشوں کے پرسکون رہنے کا راز

کتاب ''الایمان والحیٰوۃ'' کے مصنف نے اپنی کتاب میں ایک انگریز کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ انگریز کہتا ہے کہ میرا بہترین وقت بدوؤں (خانہ بدوشوں) کے ساتھ گزرا ہے، کیوں بدو ہر وقت مطمئن اور خوش رہنے والے لوگ تھے۔ یہ مثبت سوچ کا فائدہ ہے مثلاً کسی مثبت سوچ والے کے پاس پانچ روپیہ ہوں تو وہ یوں اظہار کرے گا ''الحمد للہ میرے پاس پانچ روپے ہیں اور اگر کسی منفی سوچ والے کے پاس پانچ روپے ہوں تو وہ یوں اظہار کرے گا: ''میرے پاس تو بس پانچ ہی روپے ہیں اور ہے ہی کیا میرے پاس۔'' ایک ہی بات ہے لیکن ان دونوں کے انداز سوچ میں فرق دیکھیں دونوں کے سوچوں میں کتنا فرق ہے۔ مجھے ایک مرتبہ ایک آدمی نے خط لکھا کہ میں بڑا کنگال ہو چکا ہوں، ''میرے گھر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔'' میں نے انہیں جواب میں لکھا کہ بھئی یہی جملہ (کہ میرے گھر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں ہے) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا تھا (جس کے الفاظ یہ ہیں: ''اللہ اور اس کے رسول کے نام کو اپنے گھر میں چھوڑ کر آیا ہوں [1] (یہ اس موقع پر فرمایا تھا کہ جب آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا سارا کا سارا سامان لاکر

---

[1] فکان اول من جاءَ ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ بماله کله اربعة الآف درهم فقال ﷺ هل اَبْقَيتَ لاهلک شياً قال ابقَيْتُ لهم الله ورسوله.

(ترجمہ) امداد لانے والوں میں سب سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے پورا مال لایا جو چار ہزار درہم تھے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ گھر والوں کے لئے کچھ چھوڑا تو فرمایا کہ اُن کے لئے اللہ اور اُن کا رسول چھوڑا ہے۔ شرح علامہ زرقانی ج ۳ ص ۶۴

آنحضرت ﷺ کے قدموں میں رکھ دیا تھا تو نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اے ابوبکر گھر میں بھی کچھ چھوڑ کر آئے ہو؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کے نام کو اپنے گھر میں چھوڑ کر آیا ہوں۔'' (مقصد یہ تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کا نام ہی کافی ہے مزید کسی اور چیز کی گویا ضرورت ہی نہیں ہے) یہ جملہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے غزوہ تبوک کے موقع پر فرمایا تھا اور مقصود یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا نام گھر میں ہے تو سب کچھ ہے، جب کہ آپ کہتے ہیں کہ اللہ گھر میں ہے تو کچھ بھی نہیں (یعنی یہ کہا تھا کہ گھر میں کچھ بھی نہیں ہے بس صرف اللہ ہی کا نام ہے، حالانکہ جب اللہ ہے تو پھر کسی چیز کی تو ضرورت ہی نہیں) تو ان دونوں جملوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک مثبت سوچ کے ساتھ کہتا ہے دوسرا منفی سوچ کے ساتھ۔

بہر حال انگریز کا واقعہ چل رہا تھا کہ اس نے بدوؤں کے بارے میں لکھا ہے کہ بڑے مطمئن لوگ تھے (یہ حقیقت ہے کیوں کہ انسان جب مثبت سوچ اپناتا ہے تو وہ ہر وقت خوش رہتا ہے، جبکہ منفی سوچ والا ہر وقت غمگین رہتا ہے۔ وہ ہر وقت یہی سوچتا رہتا ہے کہ میرے پاس فلاں چیز نہیں ہے، فلاں چیز نہیں ہے۔ بس اسی سوچ سے ہی پریشان رہتا ہے (اس دوران حضرت نے فرمایا کہ مجھے شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک واقعہ یاد آرہا ہے پہلے وہ سنادوں ورنہ بھول جاؤں گا) شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں جارہا تھا، میرے پاس چپلیں نہیں تھیں۔ میں نے دل میں سوچا کہ اے اللہ چپلیں تو دے دی ہوتیں (ہمیں کوئی چیز مانگنی ہو اور ہمیں اس کی ضرورت ہو تو ضرور اللہ سے مانگیں لیکن انداز شکایت والا نہ ہو بلکہ درخواست والا انداز ہو) پھر میں چلتے چلتے جامع مسجد کے دروازے پر گیا، وہاں میں نے دیکھا کہ ایک شخص کے پاؤں ہی نہیں تھے میں نے فوراً کہا الحمدللہ! اگر پاؤں میں چپل نہیں ہے تو کیا ہوا پاؤں تو ہیں (اور اس بیچارے کے تو پاؤں ہی نہیں ہیں) انسان اگر اپنے لیے خوشی کے مواقع ڈھونڈے تو ہر جگہ خوشی ہی خوشی ہے لیکن اگر تکلیف کے مواقع ڈھونڈے تو پھر ہر جگہ تکلیف ہی تکلیف ہے۔ (بہر حال وہ انگریز کا قصہ چل رہا تھا) وہ انگریز لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ ان بدوؤں پر کوئی آفت آئی، جس کی وجہ سے ان لوگوں کی سارے بکریاں

مال مویشی ختم ہوگئے تھوڑے جانوروں کے سوا جو کہ بچ گئے تھے باقی سب جانور مر گئے۔ بس تھوڑے سے زندہ بچے، تو ان کے سردار نے ان کو جمع کر کے ان سے کہا:

یہ مویشی ہمیں اللہ نے دیے تھے، اللہ تعالیٰ نے ہی ہم سے واپس لے لیے ہیں۔ اس میں اللہ کا ضرور کوئی راز ہے کوئی بات نہیں ہے۔ اس میں خیر ہے، اب یہ جو باقی بچے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اس میں برکت دے دیں، البتہ ہم سب یہاں سے کوچ کر کے کسی دوسری جگہ چلے جاتے ہیں (یہ دیکھیں یہ مثبت سوچ ہے) وہ انگریز لکھتا ہے کہ میں اتنا خوش ہوا کہ یہ لوگ تکلیف میں بھی خوش ہیں۔ بہرحال ہمیشہ کوشش کریں کہ مثبت سوچ اپنائیں بدگمانی نہ کریں، بدگمانی تمہارے اندر برائیوں کا جنگل پیدا کر دے گا۔ اور اگر تمہارے اندر مثبت سوچ ہوتی تو ہر جگہ سے تمہیں خوبیاں ہی ملیں گی۔

دسویں مجلس

یہود ونصاریٰ کی ایک حالت کا بیان

(خطبۂ ابتدائیہ کے بعد)

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى (البقرہ:۱۱۱)

''اور یہود ونصاریٰ (یوں) کہتے ہیں کہ بہشت میں ہرگز کوئی نہ جانے پائے گا بجز ان لوگوں کے جو یہودی ہوں یا نصرانی ہوں۔'' (بیان القرآن)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے بنی اسرائیل (یہود ونصاریٰ) کی حالت بیان کی ہے، (آج کل) ہماری بھی بالکل یہی حالت ہوچکی ہے، وہی الفاظ وہی باتیں جو وہ لوگ کرتے تھے ہم بھی کررہے ہیں اہل کتاب کا نظریہ تھا کہ جنت یہود ونصاریٰ (ہی) جائیں گے (گویا کہ) ان لوگوں نے جنت کا ٹھیکہ لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ (ان کی اس حالت سے متعلق) فرماتے ہیں۔

تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ (البقرہ:۱۱۱)

''یہ (خالی) دل بہلانے کی باتیں ہیں۔'' (بیان القرآن)

لفظ امانی کا ترجمہ اردو میں ''ڈھکوسلہ'' اور ''جھوٹی آرزو'' ہے۔ (آگے اللہ تعالیٰ اہل کتاب کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں:)

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ (البقرہ:۱۱۱)

''آپ کہیے کہ (اچھا) دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔'' (بیان القرآن)

اللہ تعالیٰ اہل کتاب سے فرمارہے ہیں ''دلیل لاؤ جنت میں جانے کی۔ ہم (لوگ) بھی یہ کہتے ہیں کہ جنت ہمارے نام الاٹ ہوچکی ہے۔ یہود ونصاریٰ ایک دوسرے کو غلط کہتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ (البقرہ: ۱۱۳)

''اور یہود کہنے لگے کہ نصاریٰ (کا مذہب) کسی بنیاد پر (قائم) نہیں اور (اسی طرح) نصاریٰ کہنے لگے کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں۔'' (بیان القرآن)

یہود و نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کو غلط کہتے تھے قریش ان دونوں کو غلط کہا کرتے تھے (یعنی قریش نے یہود و نصاریٰ سے کہا کہ تم دونوں غلط ہو صرف ہم صحیح ہیں) ہم بھی یہی کہتے ہیں (کہ صرف ہم اور ہماری جماعت ہی جنت میں داخل ہوگی) اللہ تعالیٰ (اہل کتاب کے اور قریش کے اور آج کل کے ہمارے اس غلط خیال کی تردید میں) فرماتے ہیں:

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتَابِ (النسآء: ۱۲۳)

''نہ تمہاری تمناؤں سے کام چلتا ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے۔'' (بیان القرآن)

یعنی جھوٹی آرزوئیں کام نہ آئیں گی، بلکہ (کام کی چیز تو عمل ہے اچھے اور برے عمل کی جزا اور سزا مل کر رہے گی)

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (النسآء ۱۲۳)

''جو شخص کوئی برا کام کرے گا وہ اس کے عوض میں سزا دیا جائے گا۔'' (بیان القرآن)

ہم کہتے ہیں کہ ہم امت مرحومہ مغفورہ ہیں، حالانکہ امریکی ایجنٹ ہم ہیں۔ کفر کا ساتھ ہم دیتے ہیں (جیسے کہ ہم نیٹو کے اتحادی بنے ہوئے ہیں پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ ہم بخشے بخشائے ہوئے ہیں۔ (یہی حالت تو اہل کتاب کی بھی بیان کی گئی ہے کہ گناہوں کے باوجود وہ اپنی مغفرت کے دعوے کرتے رہتے تھے) اللہ تعالیٰ (ان کی اس حالت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ (الاعراف: ۱۶۹)

’’پھران کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوئے کہ کتاب (تورات) کو ان سے حاصل کیا اس دنیائے دنی (رذیل) کا مال ومتاع لے لیتے ہیں اور (اس گناہ کو حقیر سمجھ کر) کہتے ہیں کہ ہماری ضرور مغفرت ہو جائے گی۔‘‘ (بیان القرآن)

یہ اہل کتاب تھے، آج ہماری بھی یہی حالت ہے۔ دین اگر چہ آسان ہے، لیکن ہم نے جو دین بنایا ہے وہ تو دین ہے ہی نہیں۔ چند چیزوں کو ہم نے دین سمجھ رکھا ہے اور پھر اس کو پورے دین کا نام دے کر ادھورے دین پر مطمئن رہتے ہیں۔

چھ سو شہیدوں کے ثواب والے اشتہار کا قصہ

میں نے ایک اشتہار دیکھا، اس میں لکھا تھا کہ پانی پینے کے ۶ آداب ہیں، جو ان آداب کے مطابق پانی پئے گا تو اسے چھ سو شہیدوں کا ثواب ملے گا، میں بڑا حیران ہوا کہ یہ حدیث تو کہیں دیکھی ہی نہیں کہ پانی پینے سے چھ سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ اشتہار بھی کسی چھوٹے ادارے کا نہیں ایک بڑے ادارے کا اشتہار تھا اور اشتہار مرتب کرنے والا بھی مضبوط آدمی تھا۔ (اپنے دعویٰ کی دلیل میں) حدیث یہ پیش کی تھی:

مَنْ تَمَسَّکَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِأَةِ شَهِیْدٍ [1]

’’جس نے میری امت میں بگاڑ آجانے کے وقت میرے طریقے کو لازم پکڑا پس اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔‘‘

یہ حدیث لکھی تھی اور اشتہار میں ترجمہ بھی غلط کیا تھا:

’’کہ جس شخص نے میری ایک سنت پر ایسے وقت میں عمل کیا کہ جب امت میں فساد آیا ہوا ہو تو اسے چھ سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔‘‘ (یہ ترجمہ درست نہیں ہے اور اس ترجمے میں جو غلطی ہے اسے علماء آسانی سے جان سکتے ہیں اس لیے) میں علماء کرام سے درخواست کرتا ہوں کہ عوام

(۱) اخرجه لسان الميزان ج ۲ ص ۴۵۵

بیچارے تو نہیں جانتے، آپ تو ٹھیک بتائیں لوگوں کو۔ اشتہار میں لکھا تھا کہ چونکہ ایک سنت پر سو شہیدوں کا ثواب ہے اور پانی میں چھ سنتیں ہیں، اس لیے چھ سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ میں حیران ہوگیا کہ یہ ترجمہ کہاں سے لایا ہے۔ میں نے سوچا کہ دین تو بڑا آسان ہوا پھر آدمی کچھ نہ کرے صرف پانی پیئے مزے ہیں اس کے (اس طرح پھر) کھانے میں تقریباً تیس آداب ہیں تو تین ہزار شہیدوں کا ثواب وہاں کھانے پر بھی) ملے گا۔ اسی طرح تقاضے میں بھی تقریباً تیس آداب ہیں تو یہ کل چھ ہزار شہیدوں کا ثواب ہوجائے گا۔ غرض ایک دن میں ہی ہزاروں شہیدوں کا ثواب مل جاتا ہے۔ انسان اور کچھ نہ کرے نہ تلاوت کرے نہ ذکر کرے پھر بھی اس کو ہزاروں شہیدوں کا ثواب مل جائے گا پھر یہ بیچارے مجاہدین کیوں پہاڑوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ [۱] یہ سب ہمارے جھوٹے خیالات اور آرزوئیں ہیں۔ حدیث مذکورہ کا صحیح مطلب کیا ہے علماء متوجہ رہیں۔

احادیثِ شریفہ میں واردلفظ ''سنت'' سے متعلق ایک اہم اصول

آپ یہ بات یاد رکھیں کہ جب لفظ سنت کو نبی کریم ﷺ اپنی ذات کی طرف منسوب کریں (یعنی یائے متکلم کی طرف اضافت کے ساتھ لفظ سنت مستعمل ہو جیسے ''سُنَّتِیْ'') تو اس کا مطلب ہوتا ہے پورا طرز زندگی (نہ کہ صرف ایک سنت، جیسے کہ ایک حدیث میں وارد ہے)

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ [۲]

''تم پر میری (سنت یعنی) طرز زندگی (جس پر میں چلا ہوں) اور خلفائے راشدین کی طرزِ

---

[۱] لغدوة في سبيل الله او روحة خير من الدنيا وما فيها.

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ کے راستے میں (یعنی جہاد میں) ایک صبح یا شام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

[۲] اخرجه شرح السُّنة ج۲ صـ۵۰۱ کتاب النوافل باب قیام شهر رمضان وفضله.

زندگی کی اتباع لازم ہے۔''

آپ ﷺ کی اس حدیث مبارکہ میں لفظ ''سنت'' سے مراد پورا طرز زندگی ہے نہ کہ کوئی ایک سنت۔ اسی طرح خلفاء راشدین بھی ایک ہی سنت پر عمل پیرا نہ تھے بلکہ آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے جہاد کیا، انہوں نے تبلیغ کی ایسے ہی آپ ﷺ نے جہاد فرمایا: تبلیغ فرمائی، لوگوں کو تعلیم دی لوگوں کا تزکیہ فرمایا، (آپ ﷺ کی اتباع میں) صحابہ کرام ؓ نے بھی یہی سب کچھ کیا۔

پھر سنت سے مراد طریقہ ہے۔ لفظِ سنت کا ترجمہ ادب سے کرنا غلط ہے کیوں کہ سنت سے مراد ادب نہیں بلکہ طریقہ ہے جیسے

النِکاحُ مِنْ سُنَّتِیْ[۱]

''نکاح میری سنت میں سے ہے (یعنی میرا طریقہ ہے)۔''

اسی طرح نماز بھی آپ ﷺ کا طریقہ ہے اب نماز و نکاح میں فرائض، واجبات، شرائط وارکان ہیں سنتیں ہیں، اسی طرح جہاد بھی آپ ﷺ کا طریقہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اب جہاد میں کتنے احکامات ہیں جیسے مال غنیمت کے احکامات وغیرہ تبلیغ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے، لوگوں کا تزکیہ آپ ﷺ کی سنت ہے، روزہ بھی آپ ﷺ کی سنت ہے یعنی طریقہ ہے۔ تو یہ بات یاد رکھیں کہ مکمل نکاح (تمام فرائض وارکان کے ساتھ) ایک سنت ہے، جہاد (اپنے تمام ذیلی تفصیلات کے ساتھ) ایک سنت ہے۔ تبلیغ (اپنے تمام آداب و تقاضوں کے ساتھ) ایک سنت ہے:

النِکاحُ مِنْ سُنَّتِی

''نکاح میری طرزِ زندگی میں سے ہے۔''

مِنْ تبعیض کے لیے ہے (علماء کرام جانتے ہیں اس کا مطلب) کہ نکاح میری طرزِ زندگی میں سے ہے، پورا طرز زندگی نہیں ہے اس لیے مِنْ کا مطلب بھی سمجھا کریں لفظ سنت کا استعمال احادیث شریفہ میں بغیر اضافت کے بھی ہوا ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے:

[۱] اخرجه سنن ابن ماجه صـ۱۳۳ کتاب النکاح باب ما جاء فی فضل النکاح

مَنْ اَحْیٰی سُنَّۃً مِنْ سُنَّتِی اُمِیْتَتْ بَعْدِی فَاِنَّ لَہٗ مِنَ الْاَجْرِمِثْلَ اُجُورِمَنْ عَمِلَ بِھَامِنْ غَیْرِاَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اُجُورِھِمْ شَیْئًا [1]

''جس نے میرے طریقۂ زندگی میں سے کوئی ایک ایسی سنت زندہ کی جسے میرے پردہ فرما جانے کے بعد متروک العمل کر دیا گیا تھا تو جتنے لوگ اس سنت پر عمل کریں گے زندہ کرنے والے کو بھی ان جیسا ثواب ملے گا بغیر ان عمل کرنے والوں کے ثواب میں کمی کیے۔'' (مشکوۃ)

(مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ) جس نے میرے طریقۂ زندگی میں سے ایک سنت کو زندہ کیا مثلاً لوگوں نے تبلیغ چھوڑی تھی اور کسی نے لوگوں کو تبلیغ پر لگادیا، لوگوں نے جہاد، تزکیہ یا نکاح چھوڑ دیا تھا اور اس نے اس کو زندہ کیا (تو اس کے لیے یہ مذکورہ فضیلت ہے ان سب میں سے ہر ایک ایک مستقل سنت ہے۔ ہمیشہ یادرکھیں، ہوش سے کام لیں، دھوکہ فریب نہ دیں۔ اس سے تم گناہگار ہوجاؤ گے) جیسے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کو زندہ کیا تو اب قیامت تک (جتنے لوگ اللہ کے راستے میں نکلیں گے اور جتنے لوگوں کی زندگیاں دین کے مطابق ہوں گی تو ان تمام اعمال کا) انہیں بھی اجر ملے گا۔ مٹی ہوئی سنت کو زندہ کر دینے کا ثواب جان لینے کے بعد اب آپ یہ بات یادرکھیں (کہ ایک حدیث میں آتا ہے)

مَنْ تَمَسَّکَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَفَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَہٗ اَجْرُ مِأَۃِ شَھِیْد

''جس نے امت میں فساد کے وقت میرے طریقۂ زندگی کو مضبوطی سے تھامے رکھا تو اس کے لیے سوشہیدوں کا ثواب ہے۔''

یہاں اس حدیث میں سنت سے مراد طریقۂ زندگی ہے ''امت میں فساد'' آگیا ہو کا مطلب یہ ہے فساد اسے کہتے ہیں کوئی چیز خراب ہوجائے، جیسے کہتے ہیں کہ دودھ میں فساد آگیا ہے (یعنی پھٹ گیا ہے) مطلب یہ ہے کہ دودھ موجود تو ہے لیکن خراب ہوگیا ہے۔ ایسا ہی اس کا مطلب یہ ہے کہ دین تو ہوگا لیکن دین میں خرابی پیدا ہوگئی ہوگی یعنی لوگ گڑ بڑ کرنے لگے ہوں من پسند دین کو

[1] اخرجه الترمذی ج۲ ص۹۶ کتاب العلم باب الاخذبالسنة و اجتناب البدعة.

اپناتے ہوں گے۔تو ایسے گڑبڑ کے وقت میں آدمی نبی کریم ﷺ کی پوری طرز زندگی پر عمل کرے تو یہ مشکل کام ہے اس لیے اس کا اجر بھی بہت بڑا ہے۔ اب پوری ''طرز زندگی'' میں اصلاح، جہاد، تعلیم، تبلیغ، سب شامل ہیں۔تو ایسے وقت میں کہ جب لوگ بعض دین پر عمل کرتے ہوں بعض کو چھوڑ رہے ہوں ایسے وقت میں وہ نبی کریم ﷺ کی پوری طرز زندگی پر عمل کرنے والا ہو۔ آپ (احادیثِ شریفہ پر) غور کریں کہ جہاں ایک سنت کا ذکر مقصود ہو وہاں آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَحْیٰی سُنَّۃً منْ سُنَّتِیْ

''جو شخص ایک سنت زندہ کرے میری سنت یعنی طرز زندگی میں سے۔''

اور حدیث :''مَنْ تَمَسَّکَ بِسُنَّتِي'' کا مطلب یہ ہے کہ جو پوری طرز زندگی پر چلے، اس کا اجر یہ ہے کہ سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔تو (اس ساری تفصیل کو عرض کردینے کا مقصود یہ ہے کہ) ''سُنَّتِي'' اور ''مِنْ سُنَّتِي'' میں یہی فرق ہے کہ ''سُنَّتِي'' سے مراد طرز زندگی ہے۔ (بہر حال میں اس اشتہار کی بات بتا رہا تھا، افسوس یہ ہے کہ) اس اشتہار میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر جہاد میں اخلاص نہ ہوا تو آپ جہنم چلے جائیں گے، لیکن آپ پانی (سنت کے مطابق) اخلاص سے پئیں تو آپ جنت جائیں گے۔اتنی جرأت!!!

میں تو حیران ہو گیا یہ کتنی بڑی جرأت ہے۔حالانکہ جہاد (اور پانی پینے کا کیا تناسب اور کیا جوڑ؟) کہاں پانی پینا اور کہاں سر کی قربانی دینا (یقیناً سر کی قربانی درجے میں بہت بڑھ کر ہے) بہر حال میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کبھی بھی جھوٹے خیالات میں زندگی نہ گزارو۔ہم نے ہمیشہ جھوٹے خیالات میں زندگی گزاری ہے۔کہیں چلے جاؤ تو وہاں کہتے ہیں کہ ایک دن عید میلاد النبی کرلو، تو جنت تمہاری ہے۔وہاں بعض لوگ روتے رہتے ہیں، عاشق ہیں (نبی کے) نہ داڑھی ہے نہ اور کچھ بلکہ چرس پیتے رہتے ہیں یہ عشاق کا مجمع ہے۔(ہم جھوٹے خیالات میں زندگیاں گزار رہے ہیں مثلاً ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ) یہ امت مرحومہ ہے ٹھیک ہے، امت تو امتِ مرحومہ ہے لیکن آپ اپنے گریبان میں دیکھیں (کہ آپ بھی بذاتِ خود مرحوم یعنی بوجہ اعمال کے قابل رحم

ہیں یا نہیں؟) کوئی کہتا ہے کہ اسلامی انقلاب کیوں نہیں آتا۔ (سوال ان ایسے کہنے والوں میں سے ہر ایک سے یہ ہے کہ) کیا تمہارے اندر اسلام ہے؟ تمہارے اندر ہوگا تو اسلامی انقلاب بھی آئے گا (اس لیے کہ معاشرہ تو افراد سے وجود میں آتا ہے) تمہارے اندر ہی اسلام نہ ہوگا تو اسلامی انقلاب کیسے آئے گا۔ گدھوں کے مالک سے گائے کے دودھ کی توقعات نہ رکھیں (یعنی مغربی جمہوریت سے اسلامی انقلاب کی توقع ایسی ہی تو ہے جیسے گدھوں سے دودھ کی توقع) اسلامی انقلاب اسلام پر عمل پیرا ہونے سے ہی آئے گا نہ کہ دیگر انقلاب دنیوی کی طرح کہ وہ تو اسباب سے بھی آجایا کرتے ہیں۔ آج میں یہ بات عرض کرنا چاہ رہا تھا کہ جھوٹے خیالات پر نہ چلیں، نہ ہی اور لوگوں کو چلائیں، ہمیشہ سچائی پر چلیں، سچائی ایسی تلوار ہے جس کا سامنا کوئی بھی نہیں کرسکتا اس لیے اصلی کا فر نقلی مسلمان سے (بعض چیزوں میں) اچھا ہے، خفانہ ہونا۔ اصلی کا فر غالب رہے گا کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ وہ (العیاذ باللہ) جنت جائے گا نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اسے کچھ اچھائیاں بوجہ اصل ہونے کے ملیں گی۔ (اس بات کو مندرجہ ذیل مثال سے سمجھیں) ایک اصلی چوہا ہے اور ایک گتے کا شیر ہے۔ (دونوں میں مقابلہ ہوتو) کون جیتے گا۔ (ظاہر ہے کہ) چوہا جیتے گا۔ (اس لیے جیتے گا کہ شیر گتے کا ہے اگر شیر اصلی ہوتا تو ایک چوہا کیا وہ تو چوہے کی کئی نسلوں تک کا صفایا کر دیتا) اب ہم گتے کے (نقل) مسلمان ہیں اور کافر اصلی چوہے ہیں تو دنیاوی لحاظ سے اس لیے اصلی کافر غالب رہے گا۔

پہلے آپ خود کو سچا مسلمان بنائیں پھر آپ دیکھیں کہ آپ غالب آتے ہیں یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَاتَهِنُوْا وَلَاتَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَo (آل عمران: ۱۳۹)

''اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن رہے۔''

(بیان القرآن)

(اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے) کہ اگر تم یقیناً مومن ہوتو تم ہی غالب رہو گے۔

گیارہویں مجلس

لایعنی باتوں اور لایعنی کاموں سے اپنے آپ کو بچائیں

انسان اگر لایعنی باتوں اور لایعنی کاموں سے بچے تو بہت کچھ پا سکتا ہے

(خطبۂ ابتدائیہ کے بعد)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ o اَلَّذِيْنَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خٰشِعُونَ o وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ o (المومنون: ۱ تا ۳)

''بالتحقیق ان مسلمانوں نے (آخرت میں) فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغو باتوں سے (خواہ قولی ہوں یا فعلی) برکنار رہنے والے ہیں۔'' (بیان القرآن)

آپ اگر لایعنی کاموں اور لایعنی باتوں سے بچیں تو بہت کچھ مل سکتا ہے۔ ہمارا بہت سارا وقت لایعنی کاموں میں گزر جاتا ہے، جس کا کوئی بھی فائدہ نہیں ہوتا ہے، نہ دین کا فائدہ ہوتا ہے، نہ دنیا کا۔ ''لایعنی بات'' یعنی (وہ فضول بات جس کا کوئی بھی فائدہ نہ ہو) نبی کریم ﷺ نے مزاح فرمایا ہے، سچی بات جس میں نمکینی ہو۔ جس سے طبیعت میں نشاط پیدا ہو اور ساتھیوں کی دل جوئی ہو۔ [۱] تو یہ فائدہ ہی ہوا جبکہ لایعنی بات کا کوئی بھی فائدہ نہیں ہوتا ہے، مومن کی شان ہی یہی ہے کہ وہ لایعنی باتوں اور لایعنی کاموں سے بچتا ہے (مذکورہ بالا آیات میں) اللہ تعالیٰ

کا ارشاد ہے کہ ''فلاح پا گئے مومن لوگ'' ''فلاح'' ہر اس کامیابی کو کہا جاتا ہے کہ جس کے بعد ناکامی نہ ہو۔ اگر ایک آدمی دنیا میں تو بادشاہ بنا مگر آخرت میں وہ جہنمی بنا تو یہ شخص ناکام ہوا۔ کامیاب تو وہ ہے جس کی کامیابی مسلسل جاری رہے۔ اور ترقی پر ترقی کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ (مومن کی صفات کا بیان فرماتے ہوئے) فرماتے ہیں (کہ مومن وہ ہوتے ہیں جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے۔''

اَلَّذِیْنَ هُمْ فِی صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (المومنون: ۲)

''جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔'' (بیان القرآن)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ نماز پڑھتے ہیں بلکہ فرمایا کہ وہ لوگ ہوں گے (مومن) جو نمازوں میں خشوع کرتے ہیں۔ عاجزی کرتے ہیں، ان کے دل اللہ رب العالمین کی طرف جھکے ہوئے ہوتے ہیں (خشوع کی مثال یوں سمجھیں کہ) آپ کے سامنے ایک شخص آیا (جو کہ بادشاہ ہیں مگر) آپ نے اسے نہیں پہچانا تو آپ ان کے سامنے ٹھیک ٹھاک کھڑے ہوں گے بے تکلف بات کریں گے لیکن جیسے ہی آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ بادشاہِ وقت ہیں تو آپ ایک دم سکڑ جائیں گے جس اندرونی عظمت اور خوف نے تمہیں جکڑ لیا تمہیں ڈھیلا کر دیا اس اندرونی چیز کا نام خشوع ہے۔ تو ایسا ہی اگر آدمی کے دل میں اپنے رب کا خوف و ہیبت، اس کی عظمت ہوگی اور اس کی قوت وقدرت جیسی صفات کا استحضار ہوگا تو آدمی کا دل رب کی طرف جھک جائے گا۔ دل کے اس جھک جانے کا نام خوف ہے جس کا اثر ظاہری اعضاء پر نمایاں

حاشیہ گزشتہ صفحہ [۱] عن ابی هریرة قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰه ﷺ لان یمتل جَوْف اَحَدِکُمْ قَیحا خَیرلَه مِنْ اَن یمتلَ شعراً قَالَ ابوعلی بَلَغَنِیْ عَنْ اَبِی عبید انه قَالَ وَجْهُهٗ اَن یمتلَ قلبه حَتّٰی یَشْغله عَنِ الْقُرْاٰنِ وَذِکراللّٰه فَاِذاکانَ الْقُراٰنُ وَالْعِلْم الغالِبُ فَلَیْسَ جَوف هٰذاعِنْدَنَا ممتلیًامِنَ الشعر وان مِن البَیانِ لَسحراقال کَان الْمَعنٰی یبلغ مِن بَیَانه اَن یملَحَ الانسانُ فیصدق فِیه حتّٰی یُصرف القلُوب الٰی قَوْلِه ثم یذمه فَیُصدق فِیه حَتّٰی یُصرف القُلوبُ الٰی قَوْله الاٰخرفکانه سحر السَامِعین بِذٰلِک رواه ابوداؤد ج ۲ کتاب الادب باب ماجافی الشعر.

ہوجائے تو صرف نماز پڑھنا ہی مقصود نہیں ہے بلکہ خشوع والی نماز مقصود ہے۔ امت سے جو چیز ضائع ہوگی سب سے پہلے وہ خشوع ہوگی۔ اگر ہماری نمازیں خشوع والی نمازیں بن جائیں تو اس سے انشاء اللہ ہماری پوری زندگی اچھی ہوجائے گی۔

نماز میں آنے والے وساوس وخیالات
کا آسان اور مختصر ترین علاج

نماز میں اگر آپ کو خیالات (وساوس) آئیں تو اس کی فکر نہ کریں (یعنی اس سے پریشان نہ ہوں) البتہ (نماز میں خیالات) خود سے نہ لائیں (مثلاً) خود (اپنے اختیار سے) نماز میں حساب وکتاب نہ کریں، لیکن اگر خیالات (وساوس از خود) آجائیں تو یہ سوچیں کہ میں اللہ رب العالمین جل جلالہ کے سامنے کھڑا ہوں، اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ خیالات پھر ادھر اُدھر بھٹکیں گے آپ دوبارہ یہی سوچیں کہ میں اللہ رب العالمین کے سامنے کھڑا ہوں، اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ سوچیں کہ اللہ مجھے تنبیہ کر رہا ہے کہ کیا مجھ سے کوئی اور اچھا ہے کہ آپ اُس طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ اس بات کی مشق کریں۔

بہر حال! میرا مقصود یہ ہے کہ آپ لوگ لایعنی باتوں اور کاموں سے بچیں! (چونکہ حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ کا یہ گراں قدر بیان ماہِ رمضان المبارک کی ایک ابتدائی نشست میں ہوا تھا اس لیے موقع محل کی مناسبت سے حضرت والا دامت برکاتہم نے فرمایا:)

اگر ماہ رمضان میں ہم لایعنی باتوں اور کاموں سے بچیں گے تو امید ہے کہ ہم رمضان کو (زیادہ سے زیادہ برکات وانوارات کے ساتھ) پالیں گے۔ باقی لایعنی چیزوں سے تو خیر عمر بھر بچنا ہے، البتہ رمضان المبارک میں اس لیے (زیادہ اہتمام) سے بچیں تا کہ ہمارے اندر یہ قوت پیدا ہو کہ ہم لایعنی چیزوں سے پوری زندگی بچ سکیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ (المنومنون:۳)

''اور جولغو باتوں سے (خواہ قولی ہوں یا فعلی) برکنار رہنے والے ہیں۔'' (بیان القرآن)

انسان کا تعلق جب اپنے رب کے ساتھ مضبوط ہونے لگتا ہے تو پھر اپنے رب کی طرف بڑھنے میں وہ جس چیز کو بھی رکاوٹ خیال کرے گا تو اس چیز سے وہ بچے گا۔ کیوں کہ وہ چیز اسے اپنے رب کی طرف بڑھنے سے روکے گی۔ لایعنی بات سے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ ایمان دار لوگ وہی ہیں جو فضول باتوں اور فضول کاموں سے اعراض کرتے ہیں یعنی ان کی طرف دیکھنا بھی گوارنہیں کرتے۔ اب ظاہر ہے کہ جب وہ لایعنی سے بچتے ہیں تو برے کاموں سے تو وہ لوگ بطریق اولیٰ بچیں گے۔ جب وہ اس بات سے بھی دور رہتے ہیں جس میں فائدہ نہ ہو تو برے کاموں سے تو وہ ہر حال میں بچیں گے۔

خلافِ واقعہ مبالغہ آرائی سے بھی بچنا چاہیے

(خلاف واقعہ مبالغہ آرائیاں بھی ناپسندیدہ ہیں اس لیے اس سے بھی بچنا چاہیے) ایک شیخ کے پاس دو آدمی مرید ہونے کے لیے آئے، وہ دونوں وہاں وضو کررہے تھے کہ شیخ کا وہیں ان کے پاس سے گزر ہوا۔ وہ دونوں آپس میں یہ بات کررہے تھے کہ ہماری مسجد میں جو تالاب ہے وہ اس تالاب سے بہت بڑا ہے۔ شیخ نے انہیں بلا کر پوچھا کہ تمہاری مسجد کا تالاب اس تالاب سے کتنا بڑا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت بڑا تو ہے ہمارا تالاب لیکن ہم نے ناپا نہیں ہے۔ (چونکہ انہوں نے دعویٰ کیا تھا کہ بہت بڑا ہے اور بغیر تحقیق وعلم کے یونہی ایک چیز سے متعلق رائے قائم کرلینا لایعنی ہی ہے اور بالکل فضول بات ہے جو کہ کسی طرح بھی نہیں کرنی چاہئے اس لیے شیخ نے بطور تنبیہ کے ان سے فرمایا) چلو جاؤ اس تالاب کو ناپ کر آؤ (پھر موازنہ کریں گے) چنانچہ وہ دونوں چلے گئے اور جاکر تالاب کی پوری پیمائش کی، پھر جب موازنہ کیا گیا تو وہ مسجد کا تالاب صرف ایک بالشت بڑا تھا (حالانکہ انہوں نے کہا تھا کہ بہت بڑا ہے) شیخ نے کہا کہ تم نے تو کہا تھا

کہ بہت بڑا ہے (اور چونکہ تمہیں صحیح علم تو تھا نہیں اس لیے ایک فضول اور بے حقیقت بات کہی) یہ لایعنی ہے (غرض یہ کہ انہیں اس سزا سے تنبیہ کرنا مقصود تھی کہ زبان کے معاملے میں احتیاط رکھیں۔عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہماری زبانیں ان باتوں سے اور جسم کے دیگر اعضا ان کاموں سے رک جائیں جو کہ فضول ہوں، ہم (صرف) وہ کام کریں جو ہمارے لیے مفید ہوں۔ (اب یہ دیکھیں کہ) مفید اگر دنیا کے لیے مفید ہے اور آخرت کو برباد کرنے والی ہے تو اس قسم کے کاموں سے بھی بچنا ہے اس لیے ہمیں تو وہ کام کرتے ہیں جس میں آخرت کا فائدہ ہو، یا دنیا کا ہی فائدہ ہو اگر اس کام میں نیک نیت کرو گے تو وہ ہی دین اور کار خیر بن جائے گا (لیکن اس سے آخرت بھی خراب نہ ہوتی ہو) کوشش کریں کہ اس ماہ میں فضول کام نہ کریں۔

ہر کام سے پہلے یہ سوچیں کہ اس کام کا کیا فائدہ ہے اور میں اسے کیوں کر رہا ہوں۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا کر لینے سے بڑی حد تک لایعنی سے بچنے میں قوت و مدد ملے گی۔)

بارہویں مجلس

حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام سے متعلق افراط وتفریط پر مبنی غلط عقائد

بعض لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کا درجہ دیتے ہیں

(خطبۂ ابتدائیہ کے بعد)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَامِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (الحج: ۳۲)

''جوشخص دین خداوندی کے ان (مذکورہ) یادگاروں کا پورالحاظ رکھے گا تو ان کا یہ لحاظ رکھنا خداتعالیٰ سے دل کے ساتھ ڈرنے سے (حاصل) ہوتا ہے۔'' (بیان القرآن)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے متعلق لوگ افراط وتفریط میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور دونوں (فریق) خواہ افراط کرنے والے ہوں یا تفریط کرنے والے ہوں انبیاء کرام علیہم السلام کی گستاخی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگ نبی کریم ﷺ کو اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو (مرتبے میں) اللہ تک پہنچاتے ہیں۔ وہ لوگ نبی کریم ﷺ کو بشر نہیں مانتے (بلکہ نور مانتے ہیں) حاضر وناظر مانتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی حاضروناظر ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کائنات میں کوئی بھی حاضروناظر نہیں ہے۔ کسی مخلوق کو حاضروناظر ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین جل جلالہ جس طرح ہر چیز کو ہر آن میں ہر لمحے میں دیکھتا ہے، جانتا ہے اور اس پر گواہ ہے

حالانکہ ایسی ذات تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس کے سوا کائنات میں دوسرا کوئی بھی حاضر وناظر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (المجادلة: ٦)

''اور اللہ ہر چیز پر مطلع ہے۔'' (بیان القرآن)

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے اور ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔ (اور اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر جگہ موجود ہیں) کہیں حاضر ہونا، اور کہیں نہ ہونا اس طرح کا کوئی حاضر وناظر نہیں ہوتا (جیسے مثلاً) میں اس وقت یہاں ہوں۔ اب میں پشاور جاتا ہوں تو پشاور پہنچ کر میں پشاور میں حاضر ہوجاؤں گا۔ اب پشاور میں تو میں حاضر ہوں گا لیکن کیا میں اس وقت یہاں بھی حاضر ہوں گا (ظاہر ہے کہ) ایسا نہیں ہے۔ اس بات کو یاد رکھیں کہ بیک وقت ہر چیز پر گواہ اور حاضر وناظر صرف اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔

اگر آپ نے (فرطِ عقیدت سے مغلوب ہوکر) نبی کریم ﷺ کو (درجے میں) اللہ تک پہنچایا تو یہ آپ نے تعریف نہ کی بلکہ (بہت بڑی گستاخی کی کیوں کہ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں تو اب بندے کو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھنا یہ عزت نہیں ذلت ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا بندہ ہونا ہی ان کے لیے عزت ہے۔ یاد رکھیں! انسان کا بلند سے بلند مقام عبدیت ہے۔ یہ بات یاد رکھیں۔ اب اگر آپ انبیاء کرام علیہم السلام کو بشر نہیں مانتے، انسان نہیں مانتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنے درجے سے گرادیا ہے۔ کیوں کہ انسان تمام مخلوقات میں سے افضل مخلوق ہے۔ بحیثیت انسان ہونے کے۔ اور تمام فرشتوں نے اسی انسان کو سجدہ کیا ہے۔ اب آپ بتائیں؟ کہ فرشتے اعلیٰ ہیں یا انسان؟ ظاہر ہے کہ انسان اعلیٰ ہوا۔ اب اگر آپ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بجائے انسان کے فرشتے مانتے ہیں تو تب بھی آپ (ان کے درجے میں) تنقیص ہی کرتے ہیں۔ تو یہ لوگ اس طرح گمراہی میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

دوسری قسم کے لوگ ان کے بالمقابل ہیں وہ بھی گمراہی کا شکار ہوجاتے ہیں۔ ایسے لوگ توحید کی آڑ میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی بے ادبی کرتے ہیں (وہ لوگ حضرات انبیاء کرام

علیہم السلام) سے متعلق ایسے نظریات وافکار کے حامل ہوتے ہیں کہ) جس سے نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین ہوتی ہے۔ مثلاً جیسے کہ توحید بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے (بلکہ انتہائی ضروری ہے) لیکن (توحید کی آڑ میں) یہاں تک بات پہنچانا کہ العیاذ باللہ! نبی کریم ﷺ اپنی قبر مبارک میں بالکل مٹی ہوکر رہ گئے ہیں (تو یہ خلافِ حقیقت ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی قسم کی بے ادبی بھی ہے جس سے اہل ایمان کو بہرصورت بچنا لازم ہے) یہ جو باریک قسم کے مسائل ہوتے ہیں اس میں ہم بلاوجہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو درمیان میں لاتے ہیں جیسے حیات وممات کا مسئلہ ہے۔ اب یہ علم الکلام کا مسئلہ ہے حضرات علماء کرام (ہی) اس پر بحث کریں گے لیکن ایسی بات جب منبر تک پہنچ گئی (جس سے عام مسلمان الجھاؤ اور تذبذب کا شکار ہوگئے ہیں) ہر وہ مسئلہ جو عوام میں بیان کرنے کا نہیں ہے جب وہ منبر تک چلا گیا (مراد بعض علمی اختلافی مسائل ہیں) اس میں ہم نے گڑ بڑ کی اور عوام کو تقسیم کر دیا، اس طرح سے (تقسیم کا نقصان یہ ہوا کہ) بعض لوگوں نے تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو (مرتبے میں) خدا تک پہنچا دیا (کہ علم غیب، حاضر وناظر جیسے غلط عقائد کی طرف چلے گئے) جبکہ اس کے برعکس بعض دیگر لوگوں نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے واقعی اور حقیقی (مرتبے اور) درجے سے بھی کم کر دیا، یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو جن صفات سے نوازا ہے (وہ ان کو بھی) بیان نہیں کرتے ہیں، (بیان نہ کرنے کی وجہ یہ بتاتے ہیں) کہ یہ چیزیں شرک ہیں۔ حالانکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی صفات ومعجزات خود قرآن مجید میں ذکر ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم میں آتا ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے [1] مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ کوڑھ کے مریضوں کو اور مادرزاد اندھوں کو ٹھیک کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔

---

[1] وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ (ال عمران: ۴۹)
(ترجمہ) اور میں اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھے اور مبروص کو اچھا کر دیتا ہوں اور میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں۔ (تفسیر ماجدی)

اللہ تعالیٰ کے حکم کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ نے انہیں یہ اختیار دیا تھا کہ جسے چاہو ٹھیک کردو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے جس کے بارے میں تمہیں اللہ حکم دے دیں تو تم انہیں ٹھیک کردو۔ تو وہ زندہ اور ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ ''بِاِذنِ اللّٰہ'' (یعنی اللہ کے حکم کے ساتھ) کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیتے تھے۔ اس لیے عقیدہ بھی ہمیشہ ٹھیک رکھا کریں بہرحال! حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی جائز تعریف ضروری ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے مرتبے سے انہیں گھٹانا یہ توہین ہے (جس سے بہرصورت بچنا لازم ہے) نبی کریم ﷺ نے خود فرمایا ہے کہ میری تعریف میں مبالغہ مت کرو جس طرح کہ نصاریٰ نے کیا کہ اپنے پیغمبر کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنا دیا۔[۱] (نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا سمجھتے ہیں العیاذ باللہ)

اب مطلب یہ ہے کہ اتنی تعریف نہ کرو کہ پیغمبر کو درجے میں خدا تک پہنچا دو (اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو کسی صفت میں شریک کرنا سراسر شرک ہے) اللہ تعالیٰ خالق ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مخلوق ہیں۔ اب خالق و مخلوق میں کیا مناسبت (ظاہر ہے کہ مخلوق کسی طرح بھی خالق کے درجے تک نہیں پہنچ سکتی) لیکن (اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رکھ لینی چاہئے کہ) مخلوقات میں سب سے افضل مخلوق حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہی ہیں۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے متعلق یہ کہنا کہ وہ مٹی ہو گئے ہیں درست نہیں ہے

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد (قبر میں) مٹی ہو جاتے ہیں (تو ان کی یہ بات) غلط ہے۔ ایک آدمی سے میری بحث ہوئی وہ کہہ رہا تھا کہ تجربہ

---

[۱] وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ لَاتُطْرُوْنِي كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰى اِبْنَ مَرْيَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُه فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُه. اخرجه مشكوٰة المصابيح ص ۴۱۷ كتاب الفتن باب المفاخرة والعصبية بحواله بخارى ومسلم.

سے ثابت ہے اور مشاہدہ ہے کہ جب کوئی جسم والی (جاندار) چیز مر جاتی ہے تو چند دنوں بعد اسے کیڑے کھا لیتے ہیں اور وہ جسم مٹی ہو جاتا ہے۔ یہ تجربہ ہے، یقیناً تجربہ ہے مثلاً جیسے بکری مرگئی تو تین یا چار دن بعد تقریباً اس میں کیڑے پڑیں گے، پھر گوشت ختم ہو کر صرف ہڈیاں باقی بچیں گی اور پھر وہ ہڈیاں (رفتہ رفتہ) مٹی بن جائیں گی یہ تجربہ ہے، تو ایسا ہی جب انسان مر جاتا ہے تو چند دنوں بعد وہ مٹی بن جاتا ہے، اس لیے یہ تجربہ دلیل ہے (اس بات پر کہ چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی انسان ہیں، اس لیے وہ بھی اس تجربے کی بنیاد پر مٹی بن جاتے ہوں گے العیاذ باللہ) اس تجربہ کا ایک (نقلی) جواب یہ ہے کہ (خود) نبی کریم ﷺ نے فرما دیا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ [1]

"اللہ تعالیٰ نے زمین پر (حضرات) انبیاء کرام (علیہم السلام) کے (مبارک) جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے۔"

"انبیاء کرام زندہ ہیں (اور) رزق دیے جاتے ہیں۔"

(اب سوال یہ ہے کہ) انبیاء کرام علیہم السلام کیسے زندہ ہیں؟ (تو اس کا جواب یہ ہے کہ) اللہ ہی بہتر جانتے ہیں، خود اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:

وَلٰکِن لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرہ: ۱۵۴)

"لیکن تم (ان) حواس سے (اس حیات کا) ادراک نہیں کر سکتے۔" (بیان القرآن)

اگر شہداء زندہ ہیں تو انبیاء کرام علیہم السلام تو پھر بطریق اولیٰ زندہ ہیں (اب وہ کیسے زندہ ہیں، تو خود اللہ نے فرما دیا ہے کہ) تم نہیں جانتے۔ (تو جب اللہ جل شانہ خود ایک چیز سے متعلق یہ فرما رہے ہوں کہ "تم نہیں جانتے" کیا اس کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ ہم جواب میں یوں کہیں) کہ ہاں ہم نہیں جانتے۔ اوپر والی حدیث (اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ الخ) سے متعلق یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ حدیث کمزور ہے، ضعیف ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ صرف ضعیف ہی ہے موضوع تو

[1] اخرجه ابن ماجه ص۱۱۸ کتاب الجنائز باب ذکر وفاته ودفنه ﷺ

نہیں ہے، من گھڑت بھی نہیں ہے باقی رہا تجربہ (کہ ہر جسم والی چیز مرنے کے بعد خاک ہوجاتی ہے) تو اصل بات یہ ہے کہ بعض لوگ اپنی باطنی خباثت کی وجہ سے اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام انسانوں میں اعلیٰ ترین اور اکمل ترین انسان ہیں

ایسی بات نہیں ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام انسان نہیں ہیں۔ نہیں بلکہ وہ انسان ہیں بشر ہیں (لیکن عام انسانوں سے بہت بڑھ کر ہیں) جیسے ایک ہرن ہے اس کے نافے میں مشک ہے (جو کہ خون سے بنا ہے) وہ بیس ہزار روپیہ (تقریباً کم وبیش) تولہ ہے، حالانکہ درحقیقت وہ خون ہی ہے۔ ایسا ہی ہرن میں عام خون بھی ہے اس کی قیمت ایک آنہ بھی نہیں ہے۔ اسی طرح نافے کا مشک پاک بھی ہے جبکہ ہرن کا عام خون ناپاک ہے تو دونوں میں فرق ہے۔ (ایسا ہی) انبیاء کرام علیہم السلام اور دیگر عام انسانوں میں بھی فرق ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی (جیسی عظیم الشان امانت) کے لیے چنا تھا۔ (اس لیے ان میں اور عام انسانوں میں فضل وکمال اور مرتبے کے لحاظ سے فرق کا ہونا بدیہی بات ہے) بہر حال تجربے کی بات کا جواب یہ ہے کہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ تجربہ تو یہ بھی ہے کہ بہت سارے لوگ شہید ہونے کے سالہا سال بعد دیکھے گئے ہیں کہ وہ صحیح سالم ہیں (مٹی نہیں بنے ہیں) حضرت عبداللہ بن تامر رحمۃ اللہ علیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں میں سے تھے، نبی کریم ﷺ کے زمانے سے بہت پہلے شہید ہوگئے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ان کی قبر کھل گئی تھی (تو وہاں موجود صحابہ کرام اور دیگر مسلمانوں نے دیکھا کہ) ان کا ہاتھ کن پٹی پر رکھا ہوا تھا، ہاتھ ہٹایا گیا تو زخم سے خون آنے لگا اور ان کا جسم بالکل سالم تھا۔ [۱] (چنانچہ پھر وہ قبر دوبارہ بند کردی

[۱] معارف القرآن ج۸ص۷۱۴ سورۃ البروج:

گئی تھی۔تو تجربہ تو یہ بھی ہے) حضرت عبداللہ بن جابر ﷺایک معرکہ میں شہید ہوگئے۔قبر وہیں بنی، پھر شہادت کے چھیالیس سال بعد وہاں ایک نہر آئی (جس سے قبر میں پانی جانے کا اندیشہ تھا) حضرت معاویہ ﷺکے زمانے میں لوگوں نے وہ قبر وہاں سے ہٹانا چاہی، دیکھا تو ان کے جسم میں کوئی بھی تغیر نہیں آیا تھا۔ ۱؎ تجربہ تو یہ بھی ہے کہ شہادت کے چھیالیس سال بعد تک جسم (اپنی حالت پر) ثابت ہے۔اسی طرح افغانستان کے جہاد میں بہت ساری قبریں بعد میں (کسی بھی وجہ سے) کھولیں گئی تو شہداء کے جسم صحیح سالم تھے۔

سلطان نورالدین زنگی رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانے کا ایک عجیب واقعہ

(سلطان) نورالدین زنگی رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانے میں انہوں نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ دو کتے مجھے قبر سے نکالنا چاہتے ہیں (بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے خواب میں سلطان کو ان دو کتوں کی شکلیں بھی دکھادی تھیں۔بیدار ہونے کے بعد سلطان نے تیاری کی اور مدینہ منورہ تشریف لے آئے) مدینہ منورہ آکر سلطان نے سب مدینہ والوں کی دعوت کی (یہ تدبیر تھی ان کتوں کو پکڑنے کی) جب سب لوگ آگئے (تو سلطان نے خواب میں جو دو بدبخت دیکھے تھے وہ نظر نہیں آرہے تھے) سلطان نے پوچھا کہ کیا مدینہ کے سب لوگ آچکے ہیں، لوگوں نے بتایا کہ باقی تو سب لوگ آچکے ہیں البتہ صرف دو آدمی نہیں آئے ہیں۔اور وہ دو آدمی بہت نیک ہیں، وہ دونوں کسی کی دعوت میں نہیں جاتے، کسی کے پاس نہیں جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی میں مشغول رہتے ہیں بس صرف وہ دونوں نہیں آئے ہیں۔وہ دونوں دراصل وہی دو کتے تھے۔ان کا کام یہ تھا کہ انہوں نے قبر شریف سے کچھ فاصلے پر ڈیرہ ڈالا

۱؎ اُن میں عمرو بن جموح ﷺ بھی تھے اُحد کے مقام پر ان تمام صحابہ ﷺ کی لاشیں صحیح سالم تھیں۔شرح الصدور بشرح احوال الموتیٰ والقبور۔بحوالہ بیہقی علامہ جلال الدین سیوطیؒ

ہوا تھا اور وہاں سے نقب لگا رہے تھے آپ ﷺ کے روضے کی طرف۔ (رات کو یہ لوگ نقب لگاتے رہتے اور صبح اسے کسی چیز سے ڈھانپ کر چھپا لیتے) ان بدبختوں کا منصوبہ یہ تھا کہ نعوذ باللہ حضور ﷺ کو (قبر مبارک میں سے) نکال کر لے جائیں گے، پھر مسلمانوں سے کہیں گے کہ اس قبر میں کوئی نہیں ہے چلو شرط کرلو۔ (چنانچہ لوگوں کی نشان دہی پر سلطان رحمہ اللہ تعالی ان تک پہنچے) سلطان نے ان کو پکڑا، جہاں وہ بیٹھے تھے وہاں سے ان کو ہٹایا تو سرنگ دیکھی اور پھر سلطان اس سرنگ میں اندر چلے گئے (سلطان نے دیکھا کہ) وہ یہودی کتے نقب لگاتے لگاتے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاؤں مبارک تک پہنچ چکے تھے۔ حجرہ مبارک میں قبروں کی ترتیب بھی ادب پر مبنی ہے۔ اسی طرح (ادب کے پیش نظر) حضور ﷺ کی وفات کے بعد محراب میں جہاں آپ ﷺ سجدہ مبارک فرماتے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہاں دیوار کھڑی کردی کہ کسی کے پاؤں اس جگہ نہ لگے کہ جہاں آپ ﷺ کا سر مبارک لگا ہو۔ یہ ادب ہے اب کوئی اس کو بھی کہہ دے کہ یہ شرک ہے۔ تو وہ یہ جملہ کس پر کرتا ہے۔ اسی طرح منبر پر تشریف فرما ہونے میں خلفاء عظام نے ادب کو ملحوظ رکھا۔ (چونکہ تیسری سیڑھی پر آنحضرت ﷺ جلوہ افروز ہوتے تھے اس لیے) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوسری سیڑھی پر تشریف فرما ہوتے تھے جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پہلی سیڑھی پر تشریف فرما ہوتے تھے۔ بہر حال! ان کتوں نے نقب لگاتے ہوئے کھدائی کے دوران درانتی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاؤں مبارک کو بھی ماری تھی جس کی وجہ سے آپ کے پاؤں مبارک کے انگوٹھے سے خون آرہا تھا۔ (بہر حال حضرت سلطان نے ان کتوں کو سزا دی اور سرنگ کو بند کروادیا) عراق میں دو صحابہ مدفون ہیں، عراقی بادشاہ نے خواب دیکھا کہ وہ دو صحابہ ان سے کہہ رہے ہیں کہ ہماری قبروں میں پانی آرہا ہے، ہماری قبروں کی جگہ تبدیل کردو۔ یہ بادشاہ صدام حسین سے پہلے کا تھا ابھی قریب کا ہی واقعہ ہے تقریباً ستر سال پہلے کا واقعہ ہے۔ اس بادشاہ نے تین یا چار مرتبہ یہ خواب دیکھا۔ ہر بار خواب دیکھنے کے بعد علماء سے پوچھتا تھا لیکن علماء نے قبروں کے منتقل کرنے سے منع کیا۔ بالآخر بار بار خواب دیکھنے کے بعد جگہ تبدیل کرنے کا ارادہ

کرلیا۔ چونکہ ان دنوں حج کا زمانہ قریب تھا اس لیے طے یہ ہوا کہ حج سے فراغت پر یہ کام کیا جائے گا۔ اس واقعے کی باقاعدہ تشہیر بھی ہوگئی (چنانچہ جب حج کے بعد قبروں کی جگہ بدلنے کا آغاز کیا جار ہا تھا تو اس وقت) انگریز بھی آ گئے، انہوں نے کیمرے بھی لگا لیے، پروجیکٹر بھی لگائے۔ مسلمانوں نے (اس گہوارے کو) بڑے بڑے بانس لگا دیے (جن میں میتوں کو دوسری جگہ لے کر جانا تھا) تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ کندھا دے سکیں۔ چنانچہ جب قبریں کھولی گئی اور ان صحابہ کرام کو نکالا گیا تو وہ میتیں بالکل تازہ تھیں۔ (یہ ایمان افروز واقعہ دیکھ کر) بہت سارے انگریز مسلمان ہو گئے (ان دو صحابہ میں سے ایک حضرت حذیفہ بن یمان ﷺ بھی تھے) حضرت حذیفہ بن یمان ﷺ کی آنکھوں میں اس وقت بھی وہ چمک باقی تھی جو زندہ انسان کے آنکھوں میں ہوا کرتی ہے اور جو وفات سے چند منٹ کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ یہ واقعہ اخبارات وغیرہ میں بھی آ گیا۔ ماہنامہ البلاغ میں میں نے خود بھی پڑھا ہے (ماہنامہ البلاغ دارالعلوم کراچی کا ترجمان رسالہ ہے جو ان دنوں حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہم کی سرپرستی میں ہر ماہ شائع ہوتا ہے) دریائے جہلم میں تقریباً دس بارہ سال پہلے طوفان آیا تھا جس سے بہت ساری قبریں اکھڑ گئیں تھیں، جن میں سے بہت سارے مردے سالم نکلے۔

میرے ایک جاننے والے ہیں ان کے والد صاحب بتا رہے تھے کہ ہم افغانستان میں زمین کھود رہے تھے تو زمین کھودتے کھودتے ہم پر ایک قبر کھلی جو کہ ایک لڑکی کی تھی جس کی لاش بالکل صحیح سالم تھی، کوئی بھی فرق نہیں آیا تھا۔ البتہ کفن ایسا ہو گیا تھا جیسے کہ گیس کی جالی ہوتی ہے۔ تو یہ سب تجربے ہیں یا نہیں؟ الغرض یہ کہ دونوں طرف تجربے موجود ہیں۔ (اور اس تجربے پر مذکورہ واقعات کے علاوہ بھی سینکڑوں واقعات پیش کیے جاسکتے ہیں) اب میں قرآن مجید میں سے ایک دلیل بتا تا ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب مسجد اقصیٰ بنار ہے تھے، تو موت تو وقت پر ہی آنی ہوتی ہے چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو مسجد اقصیٰ کی تکمیل سے پہلے ہی موت آ گئی۔ وہ کھڑے تھے، تو کھڑے ہی رہ گئے۔ جنات کو بھی پتہ نہ چلا کہ انہیں موت آ گئی ہے۔ چنانچہ

جنات آتے تھے دیکھتے تھے تو سلیمان علیہ السلام کو کھڑے ہونے کی حالت میں پا کر (دوبارہ) کام شروع کر دیتے تھے (حضرت سلیمان علیہ السلام پر جس جگہ موت واقع ہوئی تھی اسی جگہ سے کھڑے ہو کر آپ علیہ السلام جنات کے کام کی نگرانی بھی فرماتے تھے، اس لیے موت کے بعد بھی جنات آپ علیہ السلام کو زندہ سمجھتے رہے اور بدستور آپ علیہ السلام کے ڈر سے مسجد اقصیٰ کی تعمیر میں لگے رہے یہاں تک کہ مسجد کی تعمیر مکمل ہوگئی) چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَلَمَّاقَضَيْنَاعَلَيْهِ الْمَوْتَ مَادَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖۤ اِلَّادَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ج فَلَمَّاخَرَّتَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْكَانُوْايَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَالَبِثُوْافِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ (سبا۱۴)

’’پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم جاری کر دیا تو کسی چیز نے ان کے مرنے کا پتہ نہ بتلایا مگر گھن کے کیڑے نے کہ وہ سلیمان کے عصا کو کھاتا تھا سو جب وہ گر پڑے تب جنات کو حقیقت معلوم ہوئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے۔‘‘ (بیان القرآن)

(آیت مذکورہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرمارہے ہیں) جب اللہ نے ان پر موت کا فیصلہ کرلیا کسی کو بھی ان کی موت کا پتہ نہیں چلا، یہاں تک کہ ان کی موت کا پتہ دیمک نے دیا (اگر دیمک نہ ہوتا تو کسی کو ان کی موت کا پتہ ہی نہ چلتا) دیمک نے ان کی لاٹھی کھالی یہاں تک کہ وہ ٹوٹ گئی اور سلیمان علیہ السلام زمین پر آلیٹے تب پتہ چلا کہ او ہو یہ تو دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بہت عرصے تک جنات مصیبت میں پھنسے رہے۔ اب میں آپ کو یہ بات بتانا چاہتا ہوں کہ (ذرا آپ اندازہ لگائیں) سلیمان علیہ السلام کی لاٹھی شاہی لاٹھی تھی، کیسی ہوگی (ظاہر ہے کہ بڑی شاندار اور بڑی مضبوط ہوگی) اس لاٹھی کو دیمک نے خراب کیا۔ اب آپ یہ بتائیں کہ مردہ انسان کا جسم جلد خراب ہوتا ہے یا لاٹھی؟ (سیدھی بات ہے کہ) انسان جلد خراب ہوتا ہے بنسبت لاٹھی کے، کیوں کہ مردہ انسان کا جسم مرنے کے بعد ایک دو دن میں ہی خراب ہو جاتا ہے جبکہ دیمک اور لکڑی کا حال یہ ہوتا ہے کہ عام سے عام لکڑی پر بھی مہینوں مہینوں دیمک لگا رہتا ہے تب کافی عرصے بعد جا کر کہیں وہ لکڑی خراب ہو جاتی ہے فوراً یا ایک آدھ دن میں دیمک سے لکڑی

کبھی بھی خراب نہیں ہوتی) یہاں لاٹھی خراب ہوگئی، ٹوٹ بھی گئی جبکہ سلیمان علیہ السلام کھڑے تھے، کوئی بھی تغیر نہیں آیا۔ تو معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو اللہ تعالیٰ موت کے بعد بھی سالم رکھتا ہے۔ یہاں میں حیاتِ انبیاء کرام علیہم السلام کے منکرین سے یہ عرض کروں کہ کیا یہ منکر لوگ ''فرعون'' کے جسم کو سالم مانتے ہیں یا نہیں مانتے ہیں۔ مانتے ہیں فرعون آج بھی مصر کے عجائب گھر میں سالم پڑا ہوا ہے فرعون کو تو ہزاروں سال ہو چکے ہیں جبکہ اسے پانی بھی لگا تھا اور پانی سے جسم جلد خراب ہوجاتا ہے۔ حالانکہ ابھی تک تو وہ بھی سالم پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً (یونس: ۹۲)

''سو (بجائے نجات مطلوبہ کے) آج ہم تیری لاش کو (پانی میں تہ نشین ہونے سے) نجات دیں گے تاکہ تو ان کے لیے موجب عبرت ہو جو تیرے بعد (موجود) ہیں۔'' (بیان القرآن)

یاد رکھیں کہ کسی کے جسم کا سالم ہونا (مرجانے کے بعد) یہ کوئی خدائی تو نہیں ہے۔ خدا کا تو جسم ہے ہی نہیں، جسم کا ہونا تو مخلوق ہونے کی دلیل ہے۔ اس کو شرک کہنے سے تو شرک کا (بھیانک پن) بھیانکی (خباثت، کراہیت) ختم ہوجاتی ہے۔ دراصل یہ لوگ بات بات پر شرک شرک کہہ کر شرک کی کراہیت (بھیانکی) لوگوں کے دلوں سے ختم کردیتے ہیں۔ یہاں البتہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر فرعون کا بھی جسم سالم ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا بھی جسم سالم ہے تو فرق کیا ہوا؟

جواب یہ ہے کہ فرق تو بہت ہے (انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام کا سالم ہونا شرفاً، احتراماً اور کرامۃً ہے جبکہ فرعون کے جسم کا سالم ہونا عبرتاً ہے) مثلاً قرآن کریم میں حضرت سیدنا موسیٰ اور حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا نام بھی ہے فرعون ونمرود کا نام بھی ہے اور ہامان وقارون کا بھی ہے تو فرق ہے یا نہیں؟ ایک کا ذکر تعریف کے لیے ہے اور دوسرے کا ذکر مذمت کے لیے۔ اسی طرح انسان کا گوشت بھی حرام ہے، اور کتے کا گوشت بھی حرام ہے تو فرق ہے یا نہیں؟ اسی طرح

حرم کا کبوتر اگر کوئی شکار کرے اس کا گوشت حرام ہے اور خنزیر کا گوشت بھی حرام ہے تو فرق ہے یا نہیں؟ فرق ہے کیوں کہ ایک نجس ہے اور ایک شریف ہے۔

فرعون کے جسم کو باقی رکھنے کی حکمت

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام اعزازاً محفوظ ہیں۔ جبکہ فرعون کا جسم عبرتاً محفوظ ہے تاکہ دنیا والے دیکھیں کہ یہ ہے وہ خدا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے (اور) دیکھو کیسے پھیلے پاؤں پڑا ہے (بھلا خدا ایسے ہوتے ہیں العیاذ باللہ) (فرعون کے جسم کو باقی رکھنے کی ایک حکمت تو یہ ہے کہ وہ دنیا بھر کے لیے تماشۂ عبرت بن کر پڑا رہے، اس کے علاوہ ایک اور حکمت یہ بھی ہے کہ) اگر وہ ڈوب جاتا تو شاید کسی کو مغالطہ ہوجاتا کہ فرعون خدا تھا اس لیے آسمانوں پر اڑ گیا ہوگا اس لیے (مخلوق کو اس مغالطے سے بچانے کے لیے) سامنے لاکر رکھ دیا گیا کہ دیکھو یہ ہے وہ خدا جو اپنے کو خدا کہتا تھا۔

تو بہرحال! حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے متعلق یہ عقیدہ نہ رکھیں کہ وہ انسانیت سے بالاتر ہیں، خدا کے بیٹے، یا (معاذ اللہ) خدا کے اجزا ہیں (کیوں کہ یہ حقیقت کے سراسر خلاف باتیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام انسان ہیں) البتہ انسانوں میں وہ اعلیٰ اور اکمل ترین انسان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں (اس شانِ اکملیت وافضلیت کے ساتھ) ایسا بنایا تھا کہ ان پر وحی نازل ہو۔ میں مثال بیان کرتا ہوں کہ ہوائی جہاز بھی لوہے سے بنا ہے اور سائیکل بھی لوہے سے بنی ہے۔ (دونوں میں فرق یہ ہے کہ) جہاز اڑنے کے لیے بنا ہے، اب بتاؤ کیا سائیکل بھی کبھی اڑی ہے؟

بطورِ مثال ایک واقعہ

لاہور میں رکشے ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ گاؤں کا ایک سیدھا سادہ آدمی جو کہ گاؤں میں

گدھا گاڑی چلایا کرتا تھا لاہور آیا۔ لاہور آکر اس نے غیر معمولی رفتار کے ساتھ دوڑتے ہوئے رکشوں کو دیکھا تو بڑا حیران ہوا کہ یہ بھی عجیب چیز ہے۔ پھر اس نے ایک جاننے والے سے پوچھا کہ یہ رکشے آخر اس قدر تیز کیسے دوڑتے ہیں (وہ بیچارہ سادہ تھا، اس نے سوچا کہ رکشوں میں تو آگے گدھے بھی نہیں بندھے ہوتے ہیں پھر بھی اتنی رفتار سے چلتے ہیں جبکہ گدھا گاڑی میں تو باقاعدہ ایک صحت مند گدھا بھی بندھا ہوتا ہے لیکن وہ پھر بھی اس سے کم رفتار کے ساتھ چلتی ہے) خیر اس جاننے والے نے اسے بتایا کہ یہ انجن کا کمال ہے اس نے پوچھا انجن کیا ہے؟ خیر اس نے ایک جگہ سے اسے انجن بھی دکھلا دیا کہ یہ دیکھو یہ ہوتا ہے انجن۔ اب اس سادے آدمی نے سوچا کہ اگر میں یہی انجن خرید کر اپنی گاڑی میں فٹ کردوں پھر تو میری گدھا گاڑی تیز چلے گی یہ سوچ کر ایک عدد انجن خرید کر گاؤں لے آیا۔ گاؤں آکر اس نے خوشی خوشی انجن کو گاڑی میں جوڑا انجن فٹ کر لینے کے بعد اس نے ہر ممکن کوشش کی کہ گاڑی چلے، گاڑی نے نہ چلنا تھا سو نہ چلی، چلتی بھی کیسے؟ کیوں کہ انجن تو اس کے لیے بنا ہی نہ تھا۔ خیر اس نے انجن کھولا اور لاہور لا کر اس جاننے والے کو صورت حال بتلا دی کہ یہ انجن میری گاڑی میں نہیں چل رہا تھا۔ اس نے پوچھا کہ آپ نے کونسی گاڑی میں لگایا تھا؟ اس نے کہا: گدھا گاڑی میں لگایا تھا۔ بہر حال اس دانا مرد نے اسے سمجھایا کہ بندۂ خدا یہ انجن رکشے کا ہے اور رکشے کے لیے ہی بنا ہے۔ عرض کا مقصود یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام انسانوں میں اکمل ترین و اعلیٰ ترین انسان ہیں وہ وحی (کی عظیم الشان امانت) کے لیے بنائے گئے ہیں۔ تاکہ ان پر وحی الٰہی کا نزول ہو۔ (حاصل کلام یہ ہے کہ جیسے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے درجے کو بڑھانا ٹھیک نہیں ہے ایسا ہی ان کے مرتبے کو گھٹانا بھی ٹھیک نہیں ہے۔)

تیرہویں مجلس

رہبانیت اور تزکیہ میں فرق

آپ آداب سیکھیں

(حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ نے ایک موقع پر ایک اہم ادب کی طرف راہ نمائی فرماتے ہوئے فرمایا) کل ایک ساتھی نے فرمایا کہ میرے کچھ اشکالات اور شبہات ہیں وقت اشکالات وشبہات کا نہ تھا ویسے آپ کو معلوم ہے کہ رمضان میں اگر میں ایک ایک شبے کا ازالہ کروں گا تو میرے لیے مشکل بھی ہے (دوسری بات یہ ہے کہ) آپ آداب بھی سیکھیں کہ مثلاً آپ تو چلیں فارغ ہیں اب آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ آپ کا مخاطب بھی فارغ ہے یا نہیں؟ ہماری اصلاح نہ ہونے کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ ہمارے اندر بے صبری ہے ہم صرف اپنے اوقات کو دیکھتے ہیں بس ہم فارغ ہیں تو ہم ملیں گے بات کریں گے۔ دوسروں کے اوقات کو نہیں دیکھتے ہیں کہ وہ بھی فارغ ہے یا نہیں۔ ہم ایک مرتبہ رائے ونڈ گئے، حضرت مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب مدظلہٗ بھی ساتھ تھے۔ ہم دونوں حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ کے صاحبزادے حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب مدظلہٗ کی ملاقات کے لیے بھی گئے، حضرت ہمارے ساتھ محبت فرماتے ہیں۔ ہم ان کے پاس بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک صاحب آئے اور حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب سے گلے ملے (غالباً گلے ملنے کا یہ موقع مناسب نہ تھا اس لیے) کسی نے انہیں سمجھایا تو وہ صاحب کہنے لگے کہ ہمیں حضرت سے محبت ہے اس لیے گلے ملتے ہیں۔ حضرت مولانا نے (مزاحاً) فرمایا کہ محبت کرنے والے ہزاروں ہیں اور میں اکیلا ہوں، اگر سب لوگ گلے لگ گئیں گے تو مشکل ہوگی۔

(عرض کرنے کا مقصود یہ ہے کہ) آپ دوسروں کے اوقات کی بھی فکر رکھیں کہ وہ بھی آخر انسان ہے۔ اس کی بھی ضرورت ہوگی۔ اب عین دعا کے وقت میں آ کر کہتے ہیں کہ مجھے شبہات ہیں اب آدمی دعا میں مشغول ہوتو اس کے لئے جواب دینا بڑا مشکل ہوتا ہے یا جیسے کسی آدمی کو تقاضہ لگا ہوا ہو اور آپ اسے روک کر کہیں کہ میری بات سنیں! وہ جواب میں یہی کہے گا کہ اگر میں تیری بات سنوں گا تو پاجامہ خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ آپ یہاں سیکھنے آئے ہیں سیکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ صرف ذکر سیکھیں بلکہ آپ آداب بھی سیکھیں۔ کیوں کہ آداب ضروری ہیں۔

رہبانیت اور تزکیہ میں فرق

ان ساتھی کے شبہات اور سوالات تو بہت تھے۔ البتہ ایک سوال تھا کہ رہبانیت اور تزکیے میں کیا فرق ہے؟ سوال تو بڑا آسان ہے اسی طرح جواب بھی آسان ہی ہے۔ کہ رہبانیت یہ ہے کہ انسان نہ شادی کرے، نہ بیوی بچوں میں رہے۔ بس ہمیشہ خلوت میں رہے۔ عبادت میں رہے۔ اکیلے زندگی گزارنا یہ ہے ''رہبانیت'' اور تزکیہ کہتے ہیں اصلاح کو کہ دل میں اچھے جذبات پیدا ہوں اور برے جذبات ختم ہوں۔ یہ تو ہے (اس ساتھی کے) سوال کا جواب۔ لیکن سائل ہے ذہین آدمی۔ ممکن ہے اس پوچھنے والے کا سوال سے مطلب یہ ہو کہ تزکیہ کے حصول کے لئے بھی تو آدمی اعتکاف کرتا ہے، بیوی وغیرہ سے ملنا اب بھی جائز نہیں ہے۔ یا کوئی آدمی کچھ وقت کے لیے کسی غار میں چلا جاتا ہے۔ جس طرح نبی کریم ﷺ غارِ حرا میں تشریف لے جاتے تھے اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ غارِ حرا میں تشریف لے جانا آپ ﷺ کا، اسی طرح اعتکاف کرنا یہ وقتی ہیں یعنی ایک وقت تک کے لیے انسان گھر سے دور ہو جاتا ہے پھر واپس آجاتا ہے۔ جبکہ رہبانیت کا الگ ہونا دائمی ہے۔

غیر اللہ کی محبت دل سے نکالنے کا مطلب

اس ساتھی کا ایک اور سوال بھی اہم تھا اور وہ یہ تھا کہ ہم کہتے ہیں کہ غیر اللہ کی محبت دل سے نکال لیں۔ اب انسان کے دل میں بیوی بچوں کی بھی محبت ہوتی ہے (جبکہ بیوی بچے بھی تو غیر اللہ

ہی ہیں) تو اب ان کی محبت دل سے کیسے نکالیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ محبوب لذاتہ (یعنی اصلی اور حقیقی محبوب) اللہ تعالیٰ ہیں ۔ کیونکہ وہ تنہا تمام کمالات کا مالک ہے ۔ اچھے نام اللہ ہی کے ہیں ۔ انسان کی فطرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی ہی محبت ہے ۔ باقی بیٹے کی محبت ، پوتے ، نواسے کی محبت یہ عارضی اور وقتی محبتیں ہیں (انسان تو انسان جانوروں میں بھی یہ اولاد کی محبت ہوتی ہے) مرغیاں بھی کرتی ہیں یہ رحم کی محبت ہے جو کہ اللہ کے پیدا کرنے سے ہوتی ہے ، اگر یہ نہ ہوتو بچوں کی تربیت میں خلل آئے گا ۔ یہ محبت ضرورت کی حد تک ہے ، دائمی نہیں ہے ۔ جیسے تقاضے کے وقت انسان کو بیت الخلا سے کسی درجے کا تعلق اور تھوڑی سی دلچسپی پیدا ہوتی ہے تو وہ بقدر ضرورت ہوتی ہے نہ کہ دائمی ۔

ان محبتوں میں واضح فرق یہ ہے کہ جس چیز کو آپ مقدم سمجھتے ہیں وہ آپ کا محبوب لذاتہ (یعنی اصلی محبوب) ہے ۔ اور اگر (یہ محبت) مقدم نہیں ہے تو پھر یہ مذموم بھی نہیں ہے کیونکہ اسم تفصیل کے صیغے بتلا رہے ہیں (اشد حباللہ والی آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں اشد اسم تفضیل کا صیغہ مذکور ہے) کہ دوسروں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول ﷺ سے زیادہ محبت ہو ۔ اب پتہ کیسے چلائیں گے (کہ کسی کی محبت زیادہ ہے) تو تقابل کر کے دیکھیں کہ ان محبتوں کی وجہ سے اللہ کی محبت تو متاثر نہیں ہو رہی ہے (اگر نہیں ہو رہی ہے تب کوئی فکر کی بات بھی نہیں ہے) باقی یہ کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن سے محبت نہ ہو جیسے شیطان سے محبت نہ کریں کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ضد ہے ۔ باقی بیٹے وغیرہ اللہ تعالیٰ کی ضد نہیں ہے ہاں البتہ ان کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت سے کم ہو ۔ اولاد وغیرہ سے طبعی محبت اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہے اور اس کا حکم بھی فرمایا ہے ۔ البتہ ان محبتوں کو اللہ تعالیٰ پر قربان کرنا مسلمانی ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات اور ہدایت کو اولاد وغیرہ پر قربان کرنا سراسر خسارہ ہے ۔ تباہی ہے بے ایمانی ہے ۔

چودھویں مجلس

انسان کوپیش آنے والی مصیبتوں کےفوائداوران کی حکمتیں

انسانی صلاحیتیں حرکت اور عمل سے پیدا ہوتی ہیں

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے انسان کو بہت بہترین صلاحیتوں سے نوازا ہے ان صلاحیتوں کو برباد کرنا انسان کو جہنم میں پہنچا دیتا ہے۔ ان صلاحیتوں کو جگانے اور بیدار کرنے کے لیے ''عمل'' کی قوت ہے۔ عمل کی وجہ سے انسان کی صلاحیتیں جاگ جاتی ہیں۔ تمہارے اندر کی قوتوں کو ہمیشہ عمل بیدار کرے گا۔ جولوگ جائز دنیاوی کام کرتے ہوں ان کو آپ دیکھیں جب وہ متحرک ہوتے ہیں تو ان کی اس تحریک سے بہت سارے مفید نتائج نکلتے ہیں۔ اور جولوگ دین کے کاموں میں اعمالِ صالحہ میں نماز، روزے حج وغیرہ میں اہتمام سے لگتے ہیں تو انہیں ان کے فوائد وثمرات نصیب ہوتے ہیں۔ اب جو آدمی ان اعمال میں جتنا مضبوط ہوگا اتنا ہی اس کی قوتیں اور صلاحیتیں مضبوط اور بیدار ہوں گی۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جوقوم یا جو شخص خوشحالی کی حالت میں ہوتا ہے جیسے عافیت ہے، سکون ہے، مال کی فراوانی ہے، فراغت ہے، تو ایسے حالات میں انسان کی توجہ اعمال سے (عموماً) ہٹ جاتی ہے (جس کی وجہ سے اس کی صلاحیتوں کا بسا اوقات نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے اس لیے) اس کے لیے اللہ پاک اس کے عمل کو تیز کرنے کے لیے اس پر کوئی مصیبت بھیج دیتے ہیں۔ یہ مصیبت اور آفت صرف جگانے اور متحرک کرنے کے لیے ہوتی ہے (یعنی انسان کے لیے اس مصیبت میں بھی خیر ہی ہوتی ہے اگر چہ انسان اسے ناپسند اور مکروہ سمجھے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:)

وَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ (البقرہ: ۲۱۶)

''اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو۔''

(بیان القرآن)

اس مصیبت سے آپ گھبرائیں نہیں (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:)

اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (حم السجدہ: ۳۰)

''تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو۔'' (بیان القرآن)

گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے مسلمان بھی کبھی گھبراتا ہے؟ اللہ اکبر! مسلمان کبھی بھی نہیں گھبراتا اس لیے کہ وہ اس بات کو جانتا ہے کہ اللہ رب العالمین جل جلالہ کی طرف سے جو بھی حال پیش آتا ہے اس میں خیر ہوتی ہے (اگر چہ ہم نہ سمجھیں) مثلاً ایک آدمی سو رہا ہے (اور اس کا اس وقت کسی بھی وجہ سے جاگ جانا ضروری ہو اور اسی اثنا میں) اس کی ناک پر اوپر سے آم آ کر گرے تو کیا ہوگا؟ جاگ جائے گا۔ تو جاگ جانے میں کیا قباحت ہے (خاص کر جبکہ جاگ جانا ہی ضروری ہو تو تھوڑی سی تکلیف تو ہوئی لیکن ساتھ ہی ایک مقصود بھی حاصل ہو گیا) تو یہ مصائب وغیرہ جگانے کے لیے ہوتی ہیں۔

مصیبت میں مبتلا لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں

آفت اور مصیبت میں مبتلا لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں:

(۱) ایک وہ ہوتے ہیں جو مصیبت کے وقت مایوس ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کاش ہم یوں نہ کرتے تو یوں نہ ہوتا، یہ نہ کرتے تو یہ نہ ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ ایسے لوگ اپنی صلاحیتوں کو برباد کر رہے ہوتے ہیں۔

(۲) دوسری قسم کے وہ لوگ ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ کوئی بات نہیں ہے۔ (وہ اپنی کوتاہی اور غلطی کو تلاش کر کے کہتے ہیں کہ) یہاں سے غلطی ہو گئی ہے تو اس کو ٹھیک کر کے دوبارہ محنت شروع

کردیں گے، اور ترقی کرلیں گے۔ گویا ان لوگوں کے لیے مصیبت بمنزلہ تجربہ کے ثابت ہوجاتی ہے۔

جاپان (کے دوشہروں) پر امریکہ نے ایٹم بم مار گرائے۔ نتیجے میں ناگاساکی اور ہیروشیما کو راکھ کا ڈھیر بنادیا جاپان کو اس واقعے کا بڑا صدمہ تھا، لیکن انہوں نے یہ سوچا کہ ہتھیار کا مقابلہ مشکل ہے تو دوسری طرح ان سے مقابلہ کرتے ہیں اقتصادیات میں مقابلہ کرتے ہیں۔ چنانچہ جاپان نے صرف چالیس سال (یا کم وبیش) میں اقتصادیات میں اپنا لوہا منوایا ہے (آج پوری دنیا میں Mad in Japan کی ایک ویلیو اور امتیازی شان ہے) تو یہ تو دنیا کی مثال ہے۔ بہر حال عرض یہ کرنا ہے کہ مایوس کبھی بھی نہ ہوں۔ مصیبت آپ کو جگاتی ہے، بیدار کرتی ہے۔ (اس لیے مصیبت سے بجائے مایوس اور پریشان ہونے کے بیدار ہوجانا چاہئے) اور اگر آپ ان چکروں میں لگ گئے کہ یوں کرتا تو یوں ہوتا اور یہ نہ کرتا تو آج یہ نہ ہوتا تو اس سے کیا فائدہ؟ آپ یہ بتائیں کہ اس جمع وتفریق سے آپ کو کیا ملے گا سوائے اس کے کہ آپ اپنی صلاحیتوں کو ضائع کردیں۔

غزوۂ احد میں ظاہری شکست کی حکمتیں

جب غزوۂ احد میں مسلمانوں کو بظاہر شکست ملی، تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک ظاہری (اجتہادی) غلطی پر متنبہ کیا کہ دیکھو یہ تجربہ ہے آئندہ ایسا نہ کرنا۔ (یعنی پیغمبر کی اطاعت میں کمی نہ کرنا) آپ سورۃ آل عمران پڑھیں۔ اس سورۃ میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس شکست کے بڑے فوائد ہیں۔ یہ تمہاری صلاحیتوں کو بیدار کرنے کے لیے ہے۔ اور تمہارے درمیان غلط لوگ آگئے تھے (اس شکست کی وجہ سے) ان منافقوں کو الگ بھی کرنا تھا۔ [1] جب

---

[1] وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا (ال عمران: ۱۶۶)

(ترجمہ) اور جو مصیبت تم پر اُس روز پڑی جب کہ دونوں گروہ باہم مقابل ہوئے سو وہ اللہ کی مشیت سے ہوئی تاکہ اللہ مؤمنین کو جان لے اور اُن لوگوں کو بھی جان لے جنہوں نے منافقت اختیار کی۔ (تفسیر ماجدی)

طالبان کی حکومت تھی تو کالی پگڑی اور داڑھی طالب ہونے کی علامت اور نشانی تھی ۔ (جبکہ بہت سارے لوگ پگڑی اور داڑھی والے تو تھے لیکن درحقیقت طالبان نہ تھے اس لیے) میں بعض ذمہ دار ساتھیوں سے کہا کرتا تھا کہ دیکھو (تحقیق کرو) کہ یہ طالب ہے بھی یا نہیں؟ کیوں کہ پگڑی بازار میں سو روپے کی ملتی ہے اور داڑھی خود اگتی ہے ۔ پھر جب آفت آئی تو طالبان ایک طرف ہو گئے اور غیر طالبان دوسری طرف ہو گئے ۔ اسی طرح جب احد میں شکستِ ظاہری کا معاملہ پیش آیا تو منافقین دم دبا کر چلے گئے ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ (احد کی ظاہری شکست سے متعلق) فرماتے ہیں کہ اس شکست کے ذریعے خبیث (یعنی منافقوں) کو طیب (یعنی مسلمانوں) سے جدا کرنا تھا ۔ جب اچھوں اور بروں کا ملغوبہ ہو تو کیا کریں گے ، اچھوں کو الگ کریں گے ۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ نے (اس شکست سے متعلق) یہ بھی فرمایا کہ تمہارے اندر یہ باتیں تھیں مثلاً یہ کہ ہم مسلمان ہیں ہر حال میں فاتح ہی ہوں گے ۔ ہم تھوڑے ہوں یا زیادہ ، جنگ اصول سے لڑیں یا بے اصولی سے ، کامیابی ہر حال میں ہمارا مقدر ہے ، تو جب یہ شکست آئی تو پتہ چلا کہ میدان حقائق کی جگہ ہے نہ کہ آرزوؤں کی جگہ ۔

اس شکست کا ایک فائدہ اللہ نے یہ بیان فرمایا کہ اس سے تم مضبوط ہو گئے ہو کیوں کہ جس آدمی نے موت نہ دیکھی ہو ، تھکن نہ دیکھی ہو ، جنگ نہ دیکھی ہو تو جب ایسے آدمی پر اچانک کوئی بڑا معاملہ آئے گا تو وہ گھبرا جائے گا ۔ (اور جس نے پہلے سے یہ سب چیزیں دیکھی ہوں بلکہ اس کی زندگی کا حصہ ہو تو وہ کبھی بھی نہیں گھبرائے گا تو) اس لیے ان حالات میں آدمی مضبوط ہو جاتا ہے ۔ پھر وہ زیادہ غم نہیں کرتا ۔ جیسے ابھی مجاہدین میں سے کوئی شہید ہو جاتا ہے تو انہیں بہت زیادہ غم نہیں ہوتا ہے کیونکہ یہ چیز ان کے معمولات میں سے ہے ۔ تو مصائب مضبوط کرنے کے لیے ہیں ۔ البتہ آپ اللہ سے مصائب نہ مانگیں بلکہ ہمیشہ عافیت ہی مانگیں ۔ نبی کریم ﷺ نے عافیت مانگی ہے ۔ لیکن جب مصیبت آئے تو گھبرائیں بھی نہیں ! آج کل کے جو حالات ہیں ان سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔ بلکہ اپنے عمل کو تیز کرو ۔ یہی تمہارا کمال ہوگا کہ تم اپنے عمل کو تیز کر دو ۔ اللہ تعالیٰ

ہمیں جگار ہے ہیں۔کبھی بھی فکر نہ کریں، مایوس نہ ہوں۔صرف اس بات کی فکر کریں کہ اللہ تعالیٰ کی رسی (یعنی اللہ کا دین) ہم سے نہ چھوٹے، یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات حضور ﷺ کے طریقے کے مطابق پورے ہوں۔آپ ﷺ کا طریقہ ہم سے نہ چھوٹے۔ایسے حالات میں اگر موت بھی آئے تب بھی نہ گھبرائیں۔وگرنہ جن لوگوں پر جنگی جہاز گولے برسار ہے ہیں وہ بھی تو شہید ہوتے ہیں۔ آخر سوچو تو سہی کافر مرکر جہنم جاتا ہے جبکہ مومن جنت جاتا ہے تو فکر کی کیا ضرورت ہے۔

کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے لیے حجاب نہیں بن سکتی

کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے حجاب (پردہ) بن سکے۔اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔اللہ پاک برتر ہیں اس سے کہ کوئی چیز اسے چھپائے۔کیا دنیا میں اتنی بڑی چیز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو چھپا سکے کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ جو چیز خدا کو چھپاتی ہے (العیاذ باللہ) وہ خدا سے بڑی ہوگئی۔مثلاً ایک دیوار ہے وہ ہمیں چھپاتی ہے تو معلوم ہوا کہ ہم سے دیوار بڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔اللہ تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں ہے۔اس جیسا کوئی نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت مخلوق میں ہے ہی نہیں۔مثلاً صفت علم کو ہی لے لیں (صفت علم کی مثال اس لیے دی) کہ جھگڑے اکثر اسی صفت میں ہوتے ہیں ورنہ تو اللہ کی کوئی صفت مخلوق میں ہے ہی نہیں۔ مخلوق صاف آئینہ ہے اسی میں جو خیر نظر آتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔اللہ تعالیٰ کسی میں حلول نہیں کرتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات اثر کرتی ہیں۔جیسے آگ کی تاثیر گرم کرنا ہے (تو وہ گرم کرتی ہے ایسا ہی اللہ تعالیٰ کی ہر ہر صفت کی ایک تاثیر ہے مثلاً رحمٰن کی تاثیر یہ ہے کہ آدمی میں رحم کا مادہ پیدا ہو تو ان صفات کا مخلوق پر اثر ہوتا ہے) اللہ تعالیٰ مختار کل ہے۔اردو زبان میں ''مختار'' صاحب اختیار کو کہتے ہیں۔جبکہ عربی میں ''مختار'' پسند کرنے والا یا پسندیدہ کو کہا جاتا ہے (اس باب کا اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں اسی وزن پر آتے ہیں) انسان کو اللہ تعالیٰ نے کسب کا اختیار دیا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملک: ۲)

''تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے۔'' (بیان القرآن)

اب جس چیز کو تم مخلوق کہو گے تو اس میں صفت کہاں سے آ گئی (جبکہ وہ تو خود مخلوق ہے ظاہر ہے ہر ہر چیز میں اپنے خالق کی محتاج ہے) اصول یاد رکھیں کہ مصنوع میں صانع کی صفات ہو ہی نہیں سکتی جیسے ٹیپ ریکارڈر ہے یا موبائل فون ہے مثلاً یہ تم نے بنائے ہوئے ہیں۔ تو یہ چیزیں تمہارے ساتھ کسی صفت میں شریک ہیں؟ کسی صفت میں بھی شریک نہیں ہیں۔ نہ سمع میں نہ بصر میں (نہ ہی دوسری صفات میں بلکہ) یہ وہی بولتا ہے جو اس میں ریکارڈ ہو۔ یہ چیزیں تم نے بنائی ہیں تو بنائی ہوئی چیزیں اور بنانے والے میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق ہوتا ہے۔

بہرحال عرض یہ کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اس چیز سے کہ کوئی چیز اسے چھپا سکے، حجاب اگر ہے تو وہ انسان کے اندر ہے یہ خود محجوب ہے (یعنی پردہ اس کی ذات پر ہے اللہ پر نہیں ہے) آپ دیکھتے ہیں کہ روشنی میں انسان کو چیزیں نظر آتی ہیں تو اب اس روشنی کو اگر ایک کروڑ گنا مزید بڑھا دیا جائے تو آپ کو چیزیں تو درکنار خود روشنی بھی نظر نہیں آئے گی اب اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ روشنی نہیں ہے بلکہ روشنی ہے لیکن آپ کو نظر نہیں آ رہی ہے۔ اسی طرح آواز کی بھی ایک حد ہے اگر آواز اس حد سے بڑھ جائے تو آپ کو سنائی نہ دے بہرحال! ہماری آنکھ سے متعلق یہی کہا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں پا سکتیں۔ (بہرحال حجابات خود انسان کے اندر ہیں جیسے تکبر، حب جاہ، حب مال، کینہ بغض اور دیگر اخلاق رذیلہ تو دل کی یہ بیماریاں انسان کو اللہ سے دور رکھتی ہیں۔ اس دنیا میں انسان صرف دل سے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا کچھ مشاہدہ کر سکتا ہے وہ بھی تب جب کہ دل بینا ہو۔ دل سے ان برے اخلاق کا صفایا ہو، بہرحال جب دل صاف ہو گا تو انسان دل کی آنکھوں سے اپنے رب کا مشاہدہ کر سکے گا۔)

پندرہویں مجلس

ادب کولازم پکڑیں

بےادب محروم ہوتا ہے

ادب واحترام اوراللہ کے نام کے ساتھ لگی ہوئی چیزوں کی عظمت وتعظیم یہ دلوں کےتقویٰ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہ عام مشہور بات ہے کہ بے ادب محروم ہوتا ہے۔ ہمیشہ وہ شخص جس کے اندر ادب نہ ہومحروم ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ جب دنیا سےتشریف لے گئے تو (آپ ﷺ کے تشریف لے جانے بعد) جس جگہ نبی کریم ﷺ کامحراب تھا(یعنی سجدے کی جگہ تھی تو اس جگہ پر حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ نے دیوارکھڑی کردی اوردیوارکی مدد سےاس جگہ کواس لیے بند کردیا کہ تاکہ اس جگہ کسی کاغلطی سے پاؤں نہ پڑے جہاں آپ ﷺ کا سرمبارک لگا ہو) اس بات کوغور سے سنیں، آج کل بڑی گستاخیاں ہوتی ہیں،لوگ علماءکرام کے خلاف باتیں کرتے ہیں،فقرے کستے ہیں۔بس جوذہن میں آگیااس کودین بنالیا۔پھرجس کے خلاف جودل میں آتا ہے کرتا ہے یہ لوگ اس کی بےادبیاں کرتے ہیں۔(یادرکھیں) اگرآپ کے سینے میں ادب ہےتو آپ کبھی بھی محروم نہ ہوں گے۔

نبی کریم ﷺ منبر کی آخری سیڑھی پر بیان فرماتے تھے جب ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو آپ رضی اللہ عنہ ادب کی وجہ سے ایک سیڑھی نیچےتشریف فرماہوئے۔اسی طرح جب حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنےتو آپ رضی اللہ عنہ ان سے(حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ سے) بھی نیچے بیٹھے ادب کی وجہ سے، یہ ادب ہے،آج کل اس میں بڑی کوتاہیاں ہوتی ہیں،ادب کوشرک کہاجاتا ہے بدعت وغیرہ کہہ دیاجاتا ہے یادرکھیں! جوشخص ادب کولازم پکڑتا ہے وہ کبھی بھی محروم نہیں ہوتا قطعاً بھی

محروم نہ ہوگا۔ ۱؎ میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ ادب کولازم پکڑیں، استاد کا ادب، اسی طرح علماء کرام، مساجد اور بڑوں کا احترام کریں۔ آپ یہ احترام اللہ اور اس کے رسول کی وجہ سے کریں گے تو یہ اللہ اور اس کے رسول کا ہی ادب واحترام شمار ہوگا۔

حضرت بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ادب کا ایک واقعہ

حضرت بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ان کی ہدایت کا سبب یہ بنا کہ ایک مرتبہ وہ جا رہے تھے تو راستے میں انہیں ایک کاغذ کا ٹکڑا ملا۔ جسے لوگ روندر ہے تھے۔ انہوں نے اس کاغذ کو اٹھا کر دیکھا تو اس پر ''اللہ'' کا نام لکھا ہوا تھا۔ انہوں نے اس کاغذ کو پہلے اچھی طرح صاف کیا۔ پھر عطار کی دکان سے ایک درہم کا عطر خرید کر اس کاغذ پر لگا دیا پھر اس کاغذ کو ایک محفوظ جگہ پر لے جا کر ادب کے ساتھ رکھ دیا تا کہ دوبارہ اس کی بے احترامی نہ ہو۔ رات کو حضرت بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خواب دیکھا کہ کوئی (غیبی) آواز ان سے کہہ رہی تھی کہ تو نے اللہ کے نام کو خوشبودار کیا میں تیری دنیا اور آخرت کو خوشبودار کروں گا۔

اذان کے ادب واحترام کی برکت

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک عورت تھی۔ جب اس کے انتقال کا وقت قریب آیا تو وہ ایسی زبان میں بات کرنے لگی جو کہ گھر والوں کو سمجھ نہیں آرہی تھی، اس لیے وہ لوگ قریبی عالم کو بلا کر لے آئے کہ ہمارے ہاں ایک عورت حالت نزع میں ہے اور بکواس کر رہی ہے۔ تو جب وہ امام صاحب آئے تو اس نے سنا کہ وہ عورت کہہ رہی تھی عربی زبان میں کہ:

۱؎ عن ابن الزناد ان النبی ﷺ کان یجلس علی المجلس ویضع رجلیه علی الدرجة الثانیة فلماولی ابوبکر قام علی الدرجة الثانیة ووضع رجلیه علی الدرجه السفلی فلماولی عمر قام علی الدرجه السفلی ووضع رجلیه علی الارض اذاقعد. اخرجه وفاء الوفا ج ۲ ص ۳۹۸

هَذَانِ رَجُلَانِ يَقُوْلَانِ (لِيْ) اُدْخُلِي الْجَنَّةَ

''یہ دوآدمی ہیں جو کہ مجھے کہہ رہے ہیں کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔''

اس عالم نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا یہ عورت پڑھی لکھی ہے۔انہوں نے بتایا کہ نہیں، پڑھی لکھی نہیں ہے بلکہ جاہل عورت ہے۔ عالم نے لوگوں کو بتایا کہ یہ عورت عربی زبان میں بات کررہی ہے اور جنتیوں کی زبان عربی ہوگی۔اس کے بعد وہ عورت انتقال کرگئی۔اس عالم نے اس گھر والوں سے پوچھا کہ یہ عورت کیا (نیک) عمل کیا کرتی تھی انہوں نے بتایا کہ یہ ایک سادی عورت تھی، زیادہ باتیں بھی نہیں کرتی تھی نہ ہی بہت کچھ جانتی تھی البتہ اذان کا بڑا احترام کرتی تھی۔اذان کے وقت باتیں نہیں کیا کرتی تھی بلکہ (ادب کی وجہ سے) خاموش ہوجاتی تھی۔تو پھر اس عالم نے انہیں بتایا کہ یہ یقیناً اسی ادب کی برکت ہے۔(بہرحال عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ادب کو لازم پکڑیں انشاءاللہ تعالیٰ کامیاب رہیں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی)

سولھویں مجلس

اپنی بیویوں پر صبر کریں

فَعَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّیَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا (النسآء: ۱۹)

''تو ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے۔'' (بیان القرآن)

اگر آپ شریعت کے مطابق چلتے ہیں، حق پر استقامت کے ساتھ چلتے ہیں، تو زندگی کی ناگواریوں سے نہ گھبرائیں۔ (کیوں کہ) وہ (ناگواریاں) تمہارے فائدے کے لیے ہوتی ہیں۔ کبھی ایسا ہوگا کہ آپ کے گھر میں بیوی آئی، وہ (کسی وجہ سے) آپ کو پسند نہیں ہے۔ مثلاً آپ حسین ہیں وہ غیر حسین ہے۔ تو آپ صبر کرلیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ آپ کے لیے بڑی خیریں ڈالیں گے کیا معلوم اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے ایسی اولاد نصیب کرے جو آپ کے لیے ذخیرۂ آخرت ہو۔ اور کیا معلوم مثلاً اگر وہ عورت زبان سے تیز مزاج ہے تو اس کے اندر بہت ساری اور خوبیاں ہوں۔ اس لیے یہ تو دیکھ لینا چاہئے کہ وہ عورت شریعت کے خلاف نہ ہو اور اس میں شریعت کے خلاف کوئی عیب نہ ہو۔ باقی کسی اور ناگواری سے (زیادہ) دل برداشتہ نہ ہوں۔ (بیویوں کے معاملے میں یہ چیز یاد رکھیں کہ) اگر آپ کی بیوی میں زیادہ اوصاف نہیں ہیں تو آپ پریشان نہ ہوں۔ بہت سارے بڑے بڑے بزرگ بیویوں کی ایذا رسانیوں کی وجہ سے بزرگ بنے ہیں۔

شاہ ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ

حضرت شاہ ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے اولیاء میں سے گزرے ہیں۔ جنگل سے لکڑیاں لاکر (شہر میں) فروخت کرتے تھے (گدھے گھوڑے کی بجائے) شیر پر سواری کیا

کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے ایک مرید باصفا تلقان سے خرقان آئے شیخ سے ملاقات کرنے کے لیے۔ آکر انہوں نے گھر کے دروازے پر دستک دی۔ اور ان کی اہلیہ سے پوچھا کہ حضرت کہاں ہیں؟ اس وقت ان اللہ کی بندی کا مزاج بگڑا ہوا تھا اس لیے (غصے سے) کہنے لگی: کونسے حضرت؟ جب عورت کا مزاج بگڑ جائے تو اللہ اکبر! پھر تو بڑی چیز بن جاتی ہے۔ وہ عورت پاکدامن اور عفیف تھی پس زبان سے زبردست تھی۔ اس لیے حضرت شاہ صاحب کو برا بھلا کہنے لگی کہ ان کی ایسی کی تیسی۔ وہ مرید تو بڑے پریشان ہوگئے اور شیخ کی تلاش میں جنگل کا رخ کر گئے (انہیں غالبًا اتنا معلوم ہوگیا تھا کہ گھر پر نہیں ہیں) جنگل میں آکر انہوں نے دیکھا کہ حضرت شاہ ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ شیر پر سوار آرہے ہیں۔ ان مرید صاحب نے ان سے ملاقات کی اور واقعہ سنا کر کہنے لگے کہ حضرت مجھے بڑا صدمہ ہوا انہوں نے ان مرید کو سمجھایا کہ پریشان نہ ہوں۔ (کیونکہ) اگر میں ان کی ایذا رسانیوں پر صبر نہ کرتا تو آج شیر پر سوار نہ ہوتا یہ شیر مجھے صبر کے نتیجے میں ملا ہے۔ [1]

یہ حضرات بیویوں کی ایذاؤں پر اس لئے صبر نہیں کرتے تھے کہ ان کی بیویاں بہت زیادہ حسین ہوتی تھیں بلکہ اس لیے صبر کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نعمت دی ہے بس صبر شکر کے ساتھ وقت گزارنا چاہئے۔ بہت ساری عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جو بہت زیادہ انتظام والی نہیں ہوتی ہیں۔ یعنی منتظمہ نہیں ہوتی ہیں لیکن ان کے اندر عفت ہوتی ہے۔ اس لیے آپ بھی بیوی کی اچھی صفت کو لے لیں اور گزارہ کرلیں۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو واقعات

ایک اور واقعہ یاد آیا، ہمارے بزرگ ہیں حضرت مولانا مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ۔ بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ ایک طرف تو وہ اس قدر حساس تھے کہ ایک مرتبہ کی بات ہے کہ

---

[1] کشف المحجوب صـ ۲۴۴

سردیوں کی وجہ سے پوری رات نہیں سو سکے تھے۔ کسی نے صبح حال پوچھا کہ حضرت کیا حال ہے؟ فرمایا سردی کی وجہ سے رات بھر نیند نہیں آئی۔ (یہ حال سن کر) وہاں کی ایک خاتون نے ایک بڑا عمدہ لحاف بنا کر بطور ہدیہ خدمت میں بھیجا۔ اس رات بھی نہیں سو سکے تھے صبح پوچھا گیا کہ حضرت کیا حال ہے۔ فرمایا رات بھر نیند نہ آئی نیند نہ آنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اس لحاف میں سلائی کے گندے ٹیڑھے تھے، اس ٹیڑھے پن کی وجہ سے نیند نہیں آئی کیوں کہ طبیعت میں اس سے گرانی ہوئی۔ (حساس ہونے کا یہ عالم تھا) کھانا معمولی بھی زیادہ تناول فرماتے تو طبیعت بگڑ جاتی تھی۔ اللہ کی شان یہ کہ ان کی بیوی عفیف اور بہت اچھی صفتوں کے ساتھ ساتھ زبان کی حد درجہ تیز تھی۔ حضرت کا ایک افغانی پٹھان مرید تھا۔ ایک مرتبہ حضرت نے انہیں گھر بھیجا کہ جا کر کھانا لے آؤ! وہ چلا آیا دروازے پر دستک دے کر اطلاع بھجوائی کہ حضرت کھانا مانگتے ہیں۔ افغانوں اور پٹھانوں کی سخت باتیں ہوتی ہیں، نرم لہجہ ان بیچاروں کے پاس کم ہی ہوتا ہے اس لیے اس نے کہا کہ پیر صاحب کھانا مانگتے ہیں۔ وہ اللہ کی بندی ادھر سے چلائی کہ کہ کون سے پیر؟ یوں اور یوں، بہر حال خوب برا بھلا کہا۔ اب ان افغانی صاحب نے خیال کیا کہ اس عورت کو چھری سے مارنا چاہئے کیوں کہ اس نے میرے پیر کے خلاف باتیں کی ہیں۔ لیکن پھر اسے خیال آیا کہ پیر صاحب کی بیوی ہے ایسا نہ ہو کہ پیر صاحب خفا ہو جائیں۔ خیر واپس آ کر حضرت سے کہنے لگا:

حضرت! میں اس کو مارنا چاہتا تھا (چھری سے) خیر وہ بچ گئی۔ وہ (آپ کے خلاف) ایسی ویسی باتیں کرتی تھیں۔ (وہ باتیں بھلا) میں کب برداشت کر سکتا تھا۔ حضرت نے انہیں سمجھایا کہ اللہ کے بندے! اس کی مصیبتوں پر صبر کرنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ مجھے نوازتے رہتے ہیں۔ [1] یاد رہے کہ عورتوں کے اندر تھوڑا بہت ٹیڑھا پن موجود ہوتا ہے۔ یہ ان کی فطرت ہے۔ لیکن اس کا یہ ٹیڑھا پن ہی اس کی خوبی ہے۔ یہی اس کا حسن ہے۔ جیسے پسلیاں ٹیڑھی ہیں تو پسلیوں کا ٹیڑھا ہونا ہی پسلیوں کا حسن ہے۔ اگر پسلیاں سیدھی ہوتیں تو انسان کیسے بدصورت نظر

---

(۱) حکایات اولیاء ص ۲۶

آتا، یوں چکور ہوتا۔ تو یہی ٹیڑھا پن ہی اس کی خوبی ہے۔

اس لیے آپ غم نہ کریں بلکہ گزارہ کریں۔ بیویوں میں کیڑے نہ نکالیں۔ بس یہ دیکھیں کہ اگر عفیف ہے دیندار ہے تو سب ٹھیک ہے فکر نہ کریں۔ اللہ کا شکر کریں۔ اور اگر آپ بیوی پر عاشق ہو گئے تو پھر آپ دنیا میں کوئی کام نہیں کر سکیں گے۔

سترہویں مجلس

ذکر اللہ کی کثرت کیجئے

ایک مرید دو پیر

''تذکرۃ الرشید'' میں ہے کہ ایک آدمی سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے استاد کتنے ہیں۔اس نے جواب دیا کہ استاد تو میرے بہت ہیں البتہ پیر میرے دو ہیں۔

(۱) بادشاہ کا سپاہی: بادشاہ کا سپاہی میرا پیر ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ وہ سپاہی بادشاہ کی خدمت کے لیے صبح سویرے جاگتا ہے اور خدمت کرتا ہے۔اور اگر یہ صبح وقت پر نہ جاگے تو اسے تنخواہ پوری نہیں ملتی ہے۔اسی طرح میں بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں تو اللہ مجھے تب نوازیں گے جبکہ میں ٹھیک ٹھیک چلوں۔

(۲) دوسرا پیر میرا ایک طوطا ہے۔اس کا واقعہ یوں ہے کہ میرے محلے میں ایک طوطا تھا جو کہ بہت اچھی اچھی باتیں جانتا تھا۔ایک مرتبہ جب بلی نے اس پر حملہ کیا تو وہ (موت کے ڈر سے) تکلف اور بناوٹ کی وہ ساری باتیں بھول گیا۔اور وہ ''ٹیں'' نکالی جو اس کی فطری آواز تھی۔وہ اپنی بناوٹی خوب صورت باتیں بھول گیا کہ مثلاً بلی! مجھے مت کھاؤ میں ایسا ہوں، میں ویسا ہوں۔تو اس آدمی نے کہا کہ اس طوطے کے واقعہ سے مجھے یہ سبق ملا کہ مجھے ذکر میں اس قدر مشغول ہو جانا چاہئے کہ ذکر میری فطرت ثانیہ بن جائے۔اور پھر جب موت کا پنجہ آئے تو میں طبعی طور اپنے دل سے کہوں اللہ، اللہ۔اس واقعہ میں ہمارے لیے یہ سبق ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کردہ تمام باتوں کو بجالائیں اور اللہ تعالیٰ کی منع کردہ تمام باتوں سے منع ہو جائیں دوسری بات یہ ہے کہ ہم ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہیں مثلاً نماز میں ہوں تو ہم خوش ہوں کہ

ہم اللہ کے سامنے کھڑے ہیں۔ جو لوگ دنیاوی بادشاہ سے ملتے ہیں تو وہ اس پر بڑے خوش ہوتے ہیں کہ بادشاہ سے ہماری ملاقات ہوگئی جبکہ آپ تو احکم الحاکمین کے سامنے کھڑے ہیں۔ آمنے سامنے والی باتیں ہورہی ہیں۔ جیسے

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ (الفاتحہ: ۴)

''ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواستِ اعانت کرتے ہیں۔''

(بیان القرآن)

اسی طرح ہم ہروقت اپنے آپ کو اللہ کے سامنے سمجھیں، اور ہر وقت ذکر سے اپنی زبان کو تر رکھیں۔

''ہمارا ایک ساتھی تھا، اچھا آدمی تھا لیکن بدعات کی طرف مائل تھا پہلے لوگ میرے خلاف یہ پروپیگنڈہ کیا کرتے تھے کہ یہ تبلیغ کا مخالف، اب بھی لوگ اس قسم کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں لیکن اس وقت یہ پروپیگنڈہ زیادہ تھا (آپ یہ سمجھیں کہ) ایک ہے تبلیغ سے منع کرنا کہ کسی تبلیغی کے ساتھ بغض کی وجہ سے کہے کہ مت جاؤ! یہ تو ہے مخالفت۔ اور ایک ہے (کسی بھی وجہ سے) کسی کو عارضی طور پر وقت لگانے سے روکنا یا خود نہ جانا تو یہ مخالفت نہیں ہے بلکہ تقسیم کار ہے کہ کوئی تدریس کرے گا، کوئی تبلیغ کرے گا اور کوئی تصنیف اور کوئی جہاد کرے گا، یہ سب کام ضروری ہیں۔ تو میرے بارے میں لوگ یہ (بھی) کہتے تھے کہ یہ تبلیغ کا مخالف ہے۔ تو اس نسبت سے وہ ہمارے پاس آیا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ یہ ہمارے مزاج کا آدمی ہے (کیونکہ وہ خود تبلیغ کا مخالف تھا اور بریلوی بھی تھا) لیکن جب یہاں اس نے کچھ دن گزارے تو کہنے لگا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی دونوں معاملوں میں۔ ایک تو تبلیغ کے معاملے میں مجھ سے غلطی ہوگئی ہے، کیونکہ میرا خیال تھا کہ آپ تبلیغ کے مخالف ہیں۔ حالانکہ آپ کا شیخ تو تبلیغ کا سرپرست ہے پھر وہ کہنے لگا کہ چلو تبلیغ کی مخالفت سے تو میں بھی باز آجاؤں گا لیکن ہماری تو اور بھی غلطیاں ہیں۔ (پھر وہ بتانے لگا کہ) ہمارے علاقے میں مزار تھا اس میں ہم ایک دروازے میں سے اندر ہوتے تھے، اور بہت سارے لوگوں کو بھی اس کام پر لگایا تھا۔ (وہ پریشان ہوکر کہنے لگا کہ) اب میں تو توبہ کرلوں گا لیکن ان

لوگوں کا کیا بنے گا جو اس دنیا سے جا چکے ہیں۔ تو انہیں یہ غم لگ گیا تھا بعد میں۔ (ان کی موت سے متعلق ہم نے سنا کہ) جب موت کا وقت تھا تو وہ نماز کے انتظار میں بیٹھے تھے کہ ذکر کرتے کرتے اچانک دل کا دورہ پڑ گیا تھا۔ لوگ ہسپتال لے کر جا رہے تھے اور وہ راستے میں "لا الٰہ الا اللّٰہ" کی ضربیں لگا رہے تھے اس ذوق وشوق سے لگا رہے تھے کہ اور لوگوں کو بھی (اس وقت) اس پر لگا دیا تھا، ذکر کرتے کرتے ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ بہرحال! عرض یہ ہے کہ آپ ہر وقت ذکر میں لگے رہیں، انشاء اللہ خیر نصیب ہو گی۔

اسماء الحسنٰی کے فوائد

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (الاعراف: ۱۸۰) (بیان القرآن)

"اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں سو ان ناموں سے ہی اللہ کو موسوم کیا کرو۔"

اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں سارے اچھے نام، جو نام اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ان میں کوئی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان صفات کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے اپنی دعائیں مانگیں۔

اسماء الحسنٰی بہت مجرب ہیں۔ جس شخص نے بھی صدقِ دل سے ان کے ذریعے دعا مانگی تو اسے اللہ تعالیٰ خالی ہاتھ نہیں لوٹائے گا، بلکہ اللہ ضرور اس کی مراد کو پورا کرے گا۔ لیکن (اسماء الحسنٰی کے ذریعے دعا مانگنا) صحیح دل، صحیح عقیدے اور پختہ یقین کے ساتھ ہو۔ یہاں (خانقاہ) میں جو اسماء الحسنٰی کا ذکر ہوتا ہے یہ بطور مشق ہے۔ اصل یہ ہے کہ آپ یہاں اس کی مشق کر کے (اسے) سیکھیں پھر گھر میں اس پر عمل کریں۔ اس کے بہت سارے فائدے ہیں:

(۱) ان اسماء کے ذریعے سے دعا مانگنا خود اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

فَادْعُوْهُ بِهَا......(الاعراف: ۱۸۰)

اللہ کی صفت بہت بڑا واسطہ ہے، ایک فائدہ تو یہ ہوا (کہ اللہ تعالی کا یہ حکم پورا ہوا)

(۲) اسماء الحسنٰی ذکر ہے، تو اس کے پڑھنے سے ذکر کا بھی ثواب ملے گا۔

(۳) ان کے ذریعے سے اللہ حاجت بھی پوری کردے گا، کیوں کہ جب اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان ناموں کے ذریعے سے دعا مانگو تو مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ حاجت بھی پوری کرے گا۔ جیسے بھکاری کسی کا دروازہ بجاتے ہیں دستک دیتے ہیں تو جو ہوشیار قسم کے بھکاری ہوتے ہیں وہ دستک دینے کے بعد آواز بھی دیتے ہیں کہ مثلاً اے سخی جوان !! مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپ سخی ہیں میں فقیر ہوں مجھ پر سخاوت کر۔ تو اسی طرح جب آپ اللہ سے یہ سوال کریں گے:

یا اللّٰہ یا رحمن، یا رحیم

''اے اللہ، اے نہایت مہربان، (اور) اے رحم کرنے والے''

تو اس کا بھی مطلب یہ ہوتا ہے کہ (آپ اللہ سے یہ کہہ رہے ہیں کہ) اے اللہ آپ مہربان ہیں، رحمٰن ہیں۔ جبکہ میں رحم و مہربانی کا محتاج ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ رحم فرمادے گا۔

(۴) چوتھا فائدہ (اسماء الحسنٰی کا) بڑا اہم فائدہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انسان کے اندر جذب اور قبول کی صلاحیت اللہ نے رکھی ہے۔ جیسے آپ لیموں کا نام لیں تو منہ میں پانی آجاتا ہے۔ (ایسا اس لیے ہوا کہ آپ لیموں سے متأثر ہو گئے) لیموں ایک بے جان چیز ہے (تو جب ایک بے جان چیز کے تأثر کا یہ عالم ہے تو پھر اللہ پاک کی زندہ جاوید ذات کے ناموں کے تأثر کا کیا عالم ہوگا اس لیے) جب آپ اللہ زندہ جاوید ذات کی طرف متوجہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کی صفات کے اثرات بھی آپ پر ہوں گی۔ جیسے آپ کہیں ! ''یا کریم'' اے سخی۔ تو اس کی برکت سے اللہ سخاوت بھی فرمائیں گے اور ساتھ ساتھ آپ کو سخاوت (والی صفت) بھی نصیب فرمادیں گے۔

اب جتنا زیادہ آپ ذکر کریں گے (ان اسماء الحسنٰی کا) اتنے ہی (آپ پر صفاتِ ذاتِ باری تعالیٰ کے) اثرات مرتب ہوں گے اور یہ اتنا مجرب ہے کہ کسی بھی مقصد کے لیے آپ خلوص کے ساتھ پڑھیں تو اللہ حاجت برآری فرمائیں گے۔

بیماری ہو یا کسی مخلوق کا ڈر ہو تو یہ پڑھیں

اگر بیماری ہو تو یہ (مندرجہ ذیل اسماء الحسنٰی کثرت سے) کہیں:

یااللّٰہ، یاحلیم، یارؤف، یارب، یامنان

''اے اللہ! اے بڑے بردبار، اے بہت بڑے مشفق، اے پالنے والے اے احسان کرنے والے۔''

اگر بیوی سے مغلوب ہو یا (کسی بھی مخلوق سے مغلوب ہو مثلاً) امریکہ کا ڈر ہو تو (مندرجہ ذیل اسماء الحسنٰی کا کثرت سے ورد رکھیں:

یاعزیزیاحکیم

''اے سب پر غالب آنے والے اور حکمتوں والے۔''

لفظ ''اللہ'' کہتے وقت یہ تصور کرلیا کریں

ان اسماء الحسنٰی کا ذکر ایسا کریں کہ دل اللہ کی طرف متوجہ ہو، جب آپ ''اللہ'' کہیں تو یہ تصور کریں کہ جیسے آپ آسمان سے گر رہے ہیں اس وقت آپ کی نظر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سہارا نہیں ہوتا۔ سارے سہارے کافور ہو جائیں۔ صرف ایک سہارا باقی رہ جاتا ہے اور آپ تھمنے اور بچنے کے لیے اللہ کو پکار رہے ہیں، تو ایسے وقت میں جو کیفیت ہو، اسی کیفیت سے اللہ کا نام پکاریں۔ اور دعائیں مانگیں۔

اسم اعظم سیکھنے والے ایک شخص کا واقعہ

ایک واقعہ سناتا ہوں۔

حضرت امام جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایک شخص آئے اور آکر عرض کیا کہ مجھے اسم اعظم سکھائیں! امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا کہ آپ جائیں اور دریا میں کود جائیں۔ پھر چلتے

رہیں اور (میرا نام) یا جعفر یا جعفر کہتے رہیں۔ پھر جب آپ دریا پار کر جائیں تو آ کر مجھے قصہ سنا دینا۔ یہ سن کر وہ شخص چلا اور دریا میں اتر پڑا اور یا جعفر یا جعفر کہتے ہوئے چلتا رہا۔ چلتے چلتے وہ ڈوب جانے کے قریب ہوتا چلا گیا اسے ڈوب جانے کا خوف بھی دامن گیر رہا بہر حال وہ چلتا رہا۔ پھر ایک بڑی موج آئی، موج کی ہیبت ایسی طاری ہوئی کہ اسے اپنے ڈوب جانے کا یقین ہو چلا اور سارے سہارے بے وقعت نظر آئے۔ تو بس دفعۃً بے اختیار اس کے منہ سے نکلا ''یا اللہ'' (چونکہ پوری یکسوئی اور کامل یقین کے ساتھ اس نے اللہ کو یاد کیا تھا اس لیے قبولیت میں دیر بھی نہ ہوئی) یا اللہ کا کہنا تھا کہ اس بڑی موج نے اسے اٹھایا اور اٹھا کر ساحلِ دریا پر دے مارا۔ بہر حال اس نے واپس آ کر حضرت امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ کو سارا قصہ سنایا۔ قصہ سن کر امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

کہ تیری دریا میں جو کیفیت ہو چلی تھی بس اسی کیفیت کے ساتھ اللہ کو پکارنا ہی اسمِ اعظم ہے۔ (مقصد یہ ہے کہ ہم جب بھی اللہ تعالیٰ جل جلالہ کو پکاریں تو کامل یکسوئی، اور پختہ یقین کے ساتھ پکاریں۔ ان شاء اللہ اس طرح کا پکارنا ہمارے تمام دکھوں کا مداوا ثابت ہوگا) اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کسی کو یہ طریقہ بتائیں کہ فلانے کا نام لو ہو سکتا ہے کہ وہ اس کا نام لے لے کر ڈوب مرے تو دنیا سے شرک کی حالت میں جائے گا۔ امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو جو یہ تعلیم دی۔ شاید ان کو کسی طرح سے یہ معلوم ہوا ہو کہ ان کی اصلاح اس طرح سے ہو جائے گی۔

اٹھارہویں مجلس

تصوف کی چند اصطلاحات

سالک کسے کہتے ہیں

جب اللہ تعالیٰ کا بندہ مسلمان اپنے رب کی طرف چلنا شروع کرتا ہے یعنی مخلوق کو چھوڑ کر خالق کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کو ''سالک'' کہا جاتا ہے۔ یعنی سالک وہ شخص ہے کہ جو اپنے مالوفات، لذات اور خواہشات کو اللہ تعالیٰ کے لیے چھوڑ کر اللہ کی مرضی کی طرف چلتا ہے۔

''وصال'' کا مطلب

پھر ایک وقت آتا ہے کہ سالک کی مرضی اللہ کی مرضی کے مطابق ہو جاتی ہے اسی (مطابقت) کو اصطلاح تصوف میں ''وصال'' کہا جاتا ہے۔

چند شبہات کا ازالہ

بعض لوگ ناسمجھی اور بعض عناد کی وجہ سے تصوف کی ان اصطلاحات پر اعتراض کرتے ہیں (مثلاً وہ یہ کہتے ہیں کہ آپ کہتے ہیں کہ ''سالک'' اللہ تعالیٰ کی طرف چلنے والے کو کہا جاتا ہے۔ تو اس سے یہ لازم آیا کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کہیں تشریف رکھتے ہیں اور یہ سالک اسی طرف جارہا ہے حالانکہ اللہ پاک سمت، جہت مکان وغیرہ سے پاک اور منزہ ہے بظاہر تو یہ اشکال بڑا وزنی معلوم ہوتا ہے حالانکہ یہ صرف اور صرف حماقت یا خباثت ہے حقیقت کچھ بھی نہیں ہے (اور اس طرح کے اعتراضات ہمیشہ یا تو پوری بات نہ سمجھنے کی وجہ سے ہوتے ہیں کہ مثلاً ادھوری بات سن لی اور بس فوراً کہہ دیا کہ او ہو یہ تو شرک ہے، فلاں ہے وغیرہ یا پھر عناد کی وجہ سے ہوتے ہیں کہ بات

پوری معلوم بھی ہے اور سمجھ میں آ بھی رہی ہے مگر وہ زبردستی اس بات کو نہیں سمجھنا چاہ رہے ہوتے ہیں۔عناد والوں کی عناد اور بغض کا تو کوئی بھی علاج نہیں ہے بس اللہ ہی انہیں ہدایت دے ہاں البتہ جو لوگ پوری بات سے ناواقف ہوتے ہیں ان کے لیے پوری بات کا عرض کرنا ضروری ہے)اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

فَفِرُّوْآ اِلَى اللّٰه (الذّٰريٰت: ۵۰)

''تو تم اللہ ہی کی (توحید کی) طرف دوڑو۔''(بیان القرآن)

(آیت مذکورہ کا ترجمہ آپ نے ملاحظہ کرلیا ہے، اب ہم ذرا''سالک'' کے معنی پر اعتراض کرنے والوں سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ حضرات ذرا اپنی زبان سے اس آیت کا مفہوم ارشاد فرمائیں، کیوں کہ جو اعتراض انہوں نے سالک کے معنی پر کیا ہے وہی اعتراض قرآن کریم کی اس آیت پر بھی بظاہر ہوسکتا ہے۔پس جو جواب آپ کا ہے وہی جواب ہمارا بھی ہے) اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اللہ کی طرف چلنے سے مراد دل کا چلنا ہے، نہ کہ پاؤں کا چلنا۔اور وصال کا مطلب یہ ہے کہ صرف مرضیات اللہ کی مرضیات کے تابع ہوجاویں۔(نہ کہ جسماً ملنا جیسے کہ عام لوگ آپس میں ملتے ہیں معاذ اللہ) وصال پر بعض لوگوں نے ایسی تعبیریں کی ہیں جن سے عقیدہ حلول کا شبہ ہوتا ہے) جو کہ سراسر غلط ہے اللہ تعالیٰ پاک ہے اس سے کہ کوئی مخلوق اس میں حل ہوجائے) حالانکہ وہ مرضیات ہی کی بات ہوتی ہے بس تعبیر کا ابہام ہوتا ہے۔

بسط کی تعریف

تصوف کی دو اور اصطلاحات سن لیجئے: (۱) بسط (۲) قبض

بسط: یہ ایک ایسی حالت ہے جس میں انسان خوش رہتا ہے۔عبادات کرتا ہے۔(بس دل میں انبساط کی سی کیفیت ہوتی ہے) عبادت میں ذوق وشوق ہوتا ہے۔اس حالت کے فائدے بھی ہیں اور نقصانات بھی ہیں۔

فائدے یہ ہیں کہ آدمی اللہ کی طرف بڑھتا ہے (اور خوب اعمال میں ذوق وشوق سے لگا رہتا ہے)

نقصان (بسط والی حالت) کا یہ ہے کہ انسان میں اس سے عجب اور تکبر پیدا ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ بسط میں انسان کو خود پر بزرگی کا شبہ ہوتا ہے حالانکہ بزرگ ہوتا نہیں ہے اس کیفیت کا علاج یہ ہے کہ انسان اس حالت کو نعمت سمجھ کر عاجزی اختیار کرے، ناز اور عجب میں مبتلا نہ ہو۔

قبض کی تعریف

بسط والی حالت کا کل بیان ہوا تھا، آج "قبض" پر بات کریں گے قبض سالک کی وہ حالت ہے جس میں سالک کو اعمالِ صالحہ کا شوق نہیں ہوتا یا بلا وجہ اداس رہتا ہے یا یکسوئی ہو جاتی ہے۔ اس (قبض کے پیدا ہونے کے) کئی وجوہات ہوتی ہیں۔

☆ گناہ اور بدنظری کی وجہ سے قبض آجائے۔

☆ بعض مرتبہ بلاوجہ دل خفا ہوتا ہے یہ بھی قبض کی صورت ہے۔

☆ بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبض کی حالت مسلط کر دی جاتی ہے۔

بسط کی طرح قبض کے بھی نقصانات اور فوائد دونوں ہیں۔

نقصانات یہ ہیں:

جب قبض کی حالت ہوتی ہے تو بعض اوقات آدمی بعض نیک اعمال چھوڑ دیتا ہے۔ جبکہ کبھی کبھی تو بہت سارے اعمال چھوڑ دیتا ہے۔ فائدہ یہ ہے قبض والی حالت کا کہ (اس حالت کے باوجود بھی) جب انسان اعمال صالح میں لگا رہتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کے قرب کا اعلیٰ درجہ اس صورت میں نصیب ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں مجاہدہ ہے جبکہ بسط والی حالت میں مجاہدہ نہیں ہے۔ ایک بزرگ کو کسی نے خط لکھا کہ جب مزہ آتا ہے تب اعمال کرتا ہوں (اور جب مزہ نہیں آرہا ہوتا تب اعمال رہ جاتے ہیں) ان بزرگ نے انہیں جواب دیا کہ آپ مٹھائی والے اعمال

کرتے ہیں مٹھائی والی نماز پڑھتے ہیں۔ (مقصد یہ تھا کہ انسان کو ہر حال میں عمل کرتے رہنا چاہئے چاہے دل چاہے نہ چاہے) قبض والی حالت کا ایک فائدہ یہ ہے کہ استقامت کی صفت قبض میں زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ بعض اللہ والے بسط کے مقابلے میں قبض والی حالت پر زیادہ خوش ہوتے تھے۔ (کیونکہ قبض میں انسان اکثر صرف اللہ ہی کے لیے عمل کرتا ہے چونکہ دل نہیں چاہ رہا ہوتا ہے اس لیے اس عمل میں نفس کا حصہ بھی نہیں ہوتا اسی وجہ سے) ایک بزرگ سے یہ مقولہ منقول ہے کہ:

اِنْ صَلَّيْتُ فقد اَشْرَكْتُ وَاِنْ لَّمْ اُصَلِّي فَقَدْ كَفَرْتُ [1]

''اگر میں (بسط والی حالت میں دل کے چاہنے کی وجہ سے) نماز پڑھ لوں تو (یہ ایسا ہی ہے کہ گویا) میں نے شرک کیا (کیوں کہ نماز تو صرف اللہ ہی کے حکم سے پڑھنی چاہئے تھی جبکہ میں نے دل کی چاہت اور نفس کا مزہ بھی اس میں ملا لیا تو یہ شرک ہی ہے) اور اگر (اپنے نفس کی چاہت کے برخلاف چلوں اور) نماز نہ پڑھوں (اب چوں کہ نماز فرض حکم ہے جس کا جان بوجھ کر بغیر کسی سبب وعذر کے چھوڑنا بندے کو کفر سے ملا دیتا ہے اس لیے) تو (یہ ایسا ہی ہے کہ گویا) میں نے کفر کیا۔''

بہر حال آپ اعمال پر (ان مذکورہ) دو حالتوں میں اپنا عمل جاری رکھیں۔ ان شاء اللہ دوامِ عمل کی برکتیں نصیب ہوں گی۔

---

[1] یہ مقولہ حضرت شبلی رحمہ اللہ کا ہے

انیسویں مجلس

بدگمانی کے اسباب اور اس کا علاج

آج کل اکثر لڑائی جھگڑے بدزبانی اور بدگمانی کی وجہ سے ہوتے ہیں، بدگمانی کی وجہ سے فسادات پھوٹتے ہیں۔

بدگمانی کسے کہتے ہیں

بدگمانی یہ ہے کہ بلا دلیل کسی کے متعلق غلط رائے قائم کرنا، (بلا دلیل کا مطلب یہ ہے کہ) اگر دلیل ہو تو پھر بدگمانی نہ ہوگی۔ (بدگمانی کی) مثال جیسے ایک آدمی جارہا ہے جس کے ساتھ ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے۔ اور اس آدمی کے ہاتھ میں بوتل بھی ہے۔ اب بدگمانی یہ ہے کہ (دیکھنے والا یہ سمجھے کہ) یہ لڑکا اور لڑکی شوقیہ ساتھ ہیں اور بوتل شراب کی بوتل ہے۔ (یہ تو ہوئی دیکھنے والے کی رائے جبکہ) حقیقت یہ ہے کہ وہ لڑکا اور لڑکی دونوں اس کے بچے ہیں اور بوتل پانی کی بوتل ہے۔ (اب یہ بلا دلیل ایک غلط رائے قائم کر لی گئی جو بدگمانی ٹھہری، اس وجہ سے ہمیں چاہئے کہ دیکھتے ہی کوئی منفی رائے کبھی بھی قائم نہ کریں بلکہ جہاں تک ممکن ہو مثبت رائے قائم رکھیں) مجھے ایک آدمی ملا اس نے مجھے کسی دوسرے آدمی کے بارے میں بتایا کہ میں ایک مرتبہ کہیں جارہا تھا تو راستے میں وہ بھی آ گئے اس نے مجھے دیکھا تو وہ زمین پر تھوکنے لگا۔ یہ صرف اس نے مجھے جلانے کے لیے کیا تھا۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ دیکھو تمہارے پاس اس بات کی کیا دلیل ہے کہ اس نے تمہارے لیے ہی تھوکا ہے یہ تو بدگمانی ہے ایسا نہیں کرنا چاہئے اسی طرح ایک اور آدمی ملا اس نے مجھے بتایا کہ فلاں اور فلاں جو کبھی کبھی آپس میں ملتے رہتے ہیں تو وہ صرف مجھے جلانے کے لیے ملتے ہیں۔ میں نے ان سے عرض کی کہ بھائی کیوں بلا وجہ بدگمانی کرتے ہو تمہارے پاس کیا ثبوت

ہے کہ وہ تمہیں جلانے کے لیے ملتے ہیں۔ الغرض بدگمانی کی اس طرح کی کئی مثالیں ہمارے معاشرے میں بلکہ خود ہمارے اندر بھی موجود ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

بدگمانی کی وجوہات

یاد رکھیں بدگمانی ہمیشہ چند وجوہات کی بناء پر انسان میں پیدا ہوتی ہے۔ (وہ وجوہات یہاں بیان کیے جاتے ہیں)

☆ ایک وجہ تو یہ ہے کہ اپنے عیوب سے بے خبر ہونا، یہ بھی ایک بڑی وجہ ہے۔ جب آدمی کی نظر اپنے عیوب پر نہیں رہتی تو وہ اوروں کے لوگوں میں عیوب تلاش کرتا رہتا ہے۔

☆ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بسا اوقات گڑ بڑ خود آدمی میں ہوتی ہے پھر آدمی خود جیسا ہوتا ہے دوسروں کو بھی ویسا ہی سمجھتا ہے مشہور ہے کہ:

اَلْمَرْءُ یَقِیْسُ عَلٰی نَفْسِہٖ

''انسان (اور انسانوں کو) اپنے آپ پر قیاس کرتا ہے (کہ جیسے میں ہوں یہ بھی ایسا ہی ہے، نیک سب کو نیک اور بدا کثر سب کو بد ہی سمجھتا ہے)

طوطے کا واقعہ

مولانا رومیؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ کسی شخص نے ایک طوطا پال رکھا تھا اور اس نے طوطے کو بولنا سکھایا تھا اس آدمی کی دکان تھی جہاں طوطا بھی دن بھر اس کے ساتھ ہی ہوتا تھا ایک مرتبہ یہ ہوا کہ طوطے نے کسی قیمتی تیل کی شیشی گرادی جس سے وہ تیل ضائع ہوا مالک دکان کو بڑا غصہ آیا چنانچہ اس نے بطور سزا طوطے کے سر کے بال نوچ لیے جس سے وہ گنجا ہو گیا پھر انہی دنوں اس دکان پر ایک گنجا گاہک آیا طوطے نے جب اسے دیکھا تو بہت خوش ہوا چونکہ وہ بولنا جانتا تھا اس لیے کہنے لگا ارے گنجے میاں تو نے بھی تیل کی شیشی گرائی تھی مقصد یہ ہے کہ طوطے نے اس آدمی کو

خود پر قیاس کرلیا کہ جیسے میری حالت تیل کی شیشی گرادینے سے یہ ہوئی ہے تو اس کی یہ حالت بھی شاید تیل گرانے کی سزا میں ہوئی ہو حالانکہ بات ایسی نہ تھی بلکہ طوطے نے غلط قیاس کیا تھا۔

☆ کبر بھی ایک بڑی وجہ ہے بدگمانی کی۔ کیونکہ کبر میں انسان خود کو تو اوروں سے افضل سمجھتا ہی ہے ساتھ دوسروں کو خود سے حقیر بھی سمجھتا ہے بس اسی وجہ سے اکثر بدگمان رہتا ہے۔

☆ منفی سوچ بھی اکثر بدگمانی کا سبب ہوتی ہے (کیونکہ مثبت سوچ تعمیری سوچ ہے جبکہ منفی سوچ تخریبی سوچ ہے پس منفی سوچوں والا شخص خامیاں ہی سوچتا رہتا ہے)

☆ بسا اوقات بدگمانی کی ایک اور بھی وجہ ہوتی ہے (جو کہ اگر چہ بذاتِ خود کوئی بری وجہ نہیں ہے، لیکن اس مرض سے بچنے کے لیے احتیاط کرنا بہتر ہوتا ہے۔ وہ وجہ یہ ہے کہ) بسا اوقات آدمی (کسی معاملے میں) کئی بار ڈسا جا چکا ہوتا ہے دھوکہ دیا جا چکا ہوتا ہے بس پھر کیا ہوتا ہے کہیں بھی جب اس نوعیت کا معاملہ کسی کے ساتھ پیش آتا ہے تو (اول وہلہ وہ بدگمان ہو جاتا ہے کہ کہیں یہ بھی دھوکے باز نہ ہو) تو کئی مرتبہ کہیں سے دھوکہ کھانا بھی بدگمانی کا سبب ہوتا ہے۔

بدگمانی کے نقصانات

بدگمانی کا اثر یہ ہے کہ انسان میں جذب کی صلاحیت ہے تو جب یہ برائیوں کی طرف متوجہ ہوگا، تو اس میں بھی برائیاں آئینگی، اور جب خوبیوں کی طرف متوجہ ہوگا تو اس میں خوبیاں پیدا ہوں گی۔ بدگمانی کا دوسرا اثر یہ ہے کہ اس مرض کی وجہ سے اس کے اندر سے لوگوں کے ساتھ خیر خواہی اور قدر دانی کا جذبہ ختم ہوگا جو کہ ایک انسان کے لیے بہت بڑی ناکامی اور بہت بڑے نقصان کا سبب ہے۔ انسانی معاشرے پر بدگمانی کا اثر یہ ہے کہ بدگمانی کے بعد کاروائی کا نمبر آتا ہے تو اس سے پورے معاشرے میں دنگا فساد برپا ہوگا۔

بدگمانی کا علاج

☆ جب کسی پر بدگمانی ہونے لگے تو فوراً خود سے کہیں کہ تو جھوٹ بول رہا ہے کیونکہ دلیل تو ہے نہیں، اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے۔ [1]

☆ جو لوگ اپنے عیوب سے بے خبر ہوتے ہیں وہ بدگمانی میں مبتلا ہوتے ہیں، اس لیے اپنے عیوب پر نظر رکھیں، ایسا کرنے سے آپ دوسروں کے عیوب سے بے پرواہ ہو جاؤ گے۔

☆ اپنی یقینی خرابی کو دیکھیں، دوسروں کی احتمالی خرابیوں کو نہ دیکھیں۔ بلکہ دوسروں کی تو خوبیاں دیکھیں۔ انسان اپنے بارے میں زیادہ علم رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌO وَّلَوْاَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ (القیٰمۃ: ۱۴، ۱۵)

''بلکہ انسان خود اپنی حالت پر خوب مطلع ہوگا (گو باقتضائے طبیعت اس وقت بھی) اپنے حیلے (حوالے) پیش لائے۔'' (بیان القرآن)

☆ جس سے بدگمانی ہو یا حسد ہو تو اس کی تعریف کریں، دل نہیں چاہے گا مگر آپ پھر بھی کریں ان باتوں پر عمل کر لینے سے ان شاء اللہ آپ اس مرض سے نجات پا جائیں گے۔

---

[1] اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ بخاری ج ۲ صـ ۸۹۶ کتاب الآدب باب یاایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیر من الظن الخ ومسلم ج ۲ صـ ۳۱۶ کتاب البر والصلۃ باب تحریم الظن وشرح السنہ کتاب البر والصلۃ باب مالا یجوز من الظن

بیسویں مجلس

حضور ﷺ کی محبت ایمان کا حصہ ہے

آپ ﷺ کی بے ادبی کا انجام

حضور ﷺ کی محبت ایمان کا لازمی حصہ ہے۔ اگر یہ نہ ہوتو آدمی منافق بن جائے۔ حکم یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ادب واحترام میں کوئی شخص آپ ﷺ سے آواز اونچی نہ کرے (کیوں کہ اگر تم ایسا کروگے تو) تو تمہارے اعمال برباد ہوجائیں گے اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ (حجرات ۲)

اعمال کی بربادی ایمان کے خاتمے کے نتیجے میں ہوا کرتی ہے۔

ایک شیطانی چال

شیطان اپنا پورا زور لگاتا ہے اس بات پر کہ آدمی کو ایمان سے ایسا خالی کردے کہ ایمان کا اس میں ذرہ بھی نہ رہے۔ شیطان انسان کو گناہ گار کرنے کے ساتھ ساتھ دین سے بالکلیہ فارغ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ شیطان آج کل آپ ﷺ کی محبت لوگوں کے دلوں سے نکال رہا ہے (کیونکہ وہ اس بات کو جانتا ہے کہ) بس محبت ختم ہوتے ہی ساتھ ایمان سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ یاد رکھیں! آپ ہر ایسی جماعت سے بچیں جو آپ ﷺ کی محبت میں کمی یا خدانخواستہ آپ ﷺ کی ذات میں بے ادبی کا ارتکاب کرتے ہوں۔ شعائر اللہ کی تعظیم کرنا یہ دل کے تقوی کا سبب ہے اور مساجد، انبیاء کرام علیہم السلام یہ سب شعائر ہیں ان سب کا ادب واحترام ہم پر لازم ہے۔ (بہر حال عرض یہ کررہا تھا کہ شیطانی چالوں میں سے ایک بڑی چال یہ ہے کہ وہ انسان کے ایمان کا دشمن ہے، وہ بنی آدم کے ایمان کے سو فیصد میں سے سو فیصد ہی ختم کرنے پر تلا ہوا ہے۔ اس پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا)

ایک سبق آموز واقعہ

وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک بادشاہ سے کسی نے سناروں کی شکایت کی کہ لوگ انہیں زیور بنانے کے لیے جو سونا دیتے ہیں یہ لوگ اس میں سے کچھ اپنے پاس بھی رکھ لیتے ہیں۔ بادشاہ نے حقیقت حال جاننے کے لیے چند سناروں کے پاس اپنے وزیر کو بھجوایا اس نے ان میں سے ایک سے پوچھا کہ سنا ہے کہ آپ لوگ گڑ بڑ کرتے ہیں کیا یہ سچ ہے۔ اس نے کہا: ہاں ہے تو یہ سچ۔ پھر وزیر نے اس سے پوچھا کہ تم کتنی گڑ بڑ کرتے ہو اس نے کہا کہ بس ذرا سی کرتا ہوں یعنی کچھ سونا روک لیتا ہوں باقی کا زیور بنا کر دے دیتا ہوں۔ پھر وزیر نے دوسرے سنار سے یہی گفتگو کی، اس نے کہا کہ میں آدھا سونا روک لیتا ہوں۔ پھر وزیر تیسرے سنار کی طرف متوجہ ہوئے کہ آپ کیا کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ اگر جان کی امان ملے تو سچ عرض کردوں، خیر امان دے دی گئی تو اس نے کہا کہ میں سو فی صد سونا روک لیتا ہوں یعنی سارا سونا روک لیتا ہوں اور کسی اور دھات سے زیور بنا کر دیتے دیتا ہوں۔ وزیر بڑا حیران ہوا، پھر وزیر نے پوچھا کہ اگر زیور بنوانے والا آپ کے پاس کھڑا رہے پھر آپ کیا کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ کچھ بھی ہو میں کرتا بہر حال یہی ہوں کہ سونا سارا روک لیتا ہوں زیور دوسری دھات سے بنا کر دے دیتا ہوں۔ وزیر نے بادشاہ کو کارگزاری سنادی۔ تو بادشاہ کو یہ شخص بڑا عجیب معلوم ہوا اس نے سوچا کہ یہ بھی عجیب فنکار آدمی ہے اس کے فن کو دیکھ لینا چاہیے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ ایک خالی کمرہ ان کے حوالے کردیا جائے، اس میں زیور بنانے کے اوزار اور سونا رکھوادیا جائے، کمرے پر سخت کڑا پہرہ دیا جائے پھر اس سنار کی آتے جاتے ہر طرح سے تلاشی بھی لی جاتی رہے، ایسے ماحول میں یہ ہمیں زیور بنا کر دے گا پھر ہم دیکھیں گے کہ یہ سچا ہے یا جھوٹا خیر ان تمام اہتمامات کے بعد بادشاہ نے ایک عدد خوبصورت ہار کا آرڈر دے دیا، فوج کی نگرانی میں کام شروع ہوا، آتے جاتے وقت سخت ترین تلاشی کے مرحلے سے بھی گزرنا ہوتا تھا۔ ہوتے ہوتے چند دنوں میں۔ زیور تیار ہوا، جس

وقت زیور تیار ہوا تو اس سنار نے فوجیوں سے کہا کہ ایک مٹکا دہی منگوا دو، کیونکہ زیور جب نیا نیا بنتا ہے تو اس میں چمک نہیں ہوتی اس لیے اسے دہی میں دھونا پڑتا ہے جس سے اس کی چمک نکھر کر واضح ہو جاتی ہے۔ دہی کا مٹکا حاضر کیا گیا، ہار صاف کر کے نکالا گیا تو واقعی وہ بڑا اصاف اور اجلا ہو گیا تھا۔

بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ ہار تیار ہو چکا ہے بادشاہ نے آ کر ہار دیکھا۔ پھر پوچھا کہ یہ کس دھات کا بنا ہے؟ سنار نے کہا کہ خالص تانبے کا ہے، بادشاہ کو یقین نہ آیا پھر چند اور سناروں کو وہ ہار دکھلایا گیا سب نے یہ کہا کہ اس میں ایک ذرہ برابر سونا نہیں ہے بلکہ یہ خالص تانبا ہے۔

اب بادشاہ بڑا پریشان ہوا کہ جو کمرہ ہم نے اسے دیا تھا اس میں تانبا تھا نہیں اور جو سونا اسے دیا گیا تھا وہ نہ ہار میں تھا، نہ کمرے میں اور نہ ہی یہ جیب میں لے کر گیا تھا۔ سونا گیا کہاں اور کس راستے سے گیا، اور یہ تانبہ آیا کب اور کیسے آیا۔ یہ سب باتیں بادشاہ سمیت فوجیوں کو بھی پریشان کر رہی تھیں۔

خیر بادشاہ نے سنار سے کہا کہ واقعے کی تفصیل سناؤ کہ سونا کہاں گیا اور کیسے گیا۔ اور یہ تانبہ کہاں سے آیا اور کیسے آیا۔ بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں سنار پورا قصہ سنانے لگا کہ بادشاہ سلامت ہوا یوں کہ جب میں نے آپ کے کمرے میں سونے کا ہار شروع کیا تو اسی رات میں نے گھر میں تانبے کا بھی ایک ہار بنانا شروع کیا۔ انجام کار دونوں ہار مکمل ہو گئے، اب یہ باقی تھا کہ تانبے کا ہار آپ کے کمرے میں منتقل کر دوں اور سونے کا ہار اپنے گھر میں منتقل کر دوں چونکہ تلاشی کا نظام بڑا سخت تھا، اس لیے میں نے اس منتقلی کے لیے یہ ترتیب اور تدبیر سوچی کہ جس دن ہار مکمل ہونا تھا اس سے ایک دن پہلے میں نے اپنی بیوی کو سمجھایا کہ کل دہی کا مٹکا لے کر اتنے بجے بادشاہ کے محل کے پاس آ کر آوازیں لگاتی رہنا کہ دہی لے لو، دہی لے لو، ساتھ میں نے بیوی سے یہ بھی کہا کہ وہ تانبے والا ہار مٹکے میں ڈال کر لے آنا۔ بادشاہ کے محل میں سے کچھ لوگ آئیں گے تم انہیں یہ مٹکا دے دینا اور ان سے مٹکا واپس کرنے کو کہنا کہ میرے برتن کو واپس کر دیں میں جب اس کو

دوبارہ بھجوادوں گا تو تم اسے لے کر بحفاظت گھر چلی جانا۔ چنانچہ اس نے اگلے دن ایسا ہی کیا مجھے دہی کی ضرورت ہوئی تو آپ کے سپاہی وہی دہی خرید کر لے آئے میں نے ان کے سامنے اس میں سونے والا ہار ڈبو کر رکھ دیا اور تھوڑی دیر بعد تانبے والا ہار باہر نکال کر ان کے حوالہ کیا ساتھ ہی میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ یہ دہی مزید ہمارے کسی کام کی نہیں ہے یہ واپس اسی عورت کو دے کر آجانا بیچاری غریب ہوگی، استعمال کرلے گی یا پھر فروخت کرلے گی۔ چنانچہ سپاہیوں نے میرے کہنے کے مطابق مٹکا اسی عورت کو واپس کردیا، بس اس طرح سے آپ کے سونے والا ہار ہمارے گھر چلا گیا اور ہمارے گھر کا تانبے والا ہار آپ کے محل میں آیا۔

بادشاہ اور درباری اس سنار کا یہ کارنامہ دیکھ کر انتہائی حیران ہوگئے۔ الغرض یہ کہ بادشاہ نے ان سے توبہ کرواکر بہت بڑے اعزاز واکرام سے نوازا۔ اس واقعے کو عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس سنار کی طرح شیطان بھی ہمارے ایمان کو مکمل طور پر چرانے کی کوشش میں ہے اور اس کے لیے وہ طرح طرح کی تدبیریں بناتا رہتا ہے اس لیے آپ محتاط رہیں۔ شیطان سنار کی طرح کمال کرتا ہے کہ ہار بظاہر ہار ہے سونے کا لیکن اسی میں رتی بھر سونا بھی نہیں ہے تو ایسا ہی بسا اوقات شیطان ایمان ایسا اچک لیتا ہے کہ آدمی بظاہر ٹھیک ٹھاک مسلمان ہوتا ہے مگر دل میں رتی برابر بھی ایمان باقی نہیں ہوتا۔

انگریزوں کی سازش ہے کہ لوگ علماء کرام سے بدظن ہوکر ان کے خلاف باتیں کریں۔ آپ یاد رکھیں! جو لوگ علماء کے خلاف بات کرتے ہیں وہ ہمارے آدمی نہیں ہیں۔ لندن میں باقاعدہ ایک یونیورسٹی ہے جہاں پر ایسے کافر مولوی نما لوگ پیدا ہوتے ہیں تاکہ وہ مسلمانوں کے ایمانوں میں شک وشبہ ڈالیں ان کو مستشرقین کہتے ہیں۔ (اللہ ان کے شر سے ہم سب کی پوری طرح حفاظت فرمائے اور ان کے عزائم کو اللہ خاک آلود کردے)

اکیسویں مجلس

صاحبزادگان سے خطاب

قَالَ سَاٰوِیۡۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعۡصِمُنِیۡ مِنَ الۡمَآءِ ط قَالَ لَاعَاصِمَ الۡیَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ اِلَّامَنۡ رَّحِمَ ج وَحَالَ بَیۡنَھُمَاالۡمَوۡجُ فَکَانَ مِنَ الۡمُغۡرَقِیۡنَ (ھود: ۴۳)

''وہ کہنے لگا کہ میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھ کو پانی (میں غرق ہونے) سے بچالے گا۔ نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ آج اللہ کے حکم (یعنی قہر) سے کوئی بچانے والا نہیں لیکن جس پر وہی رحم کرے اور دونوں (باپ بیٹے) کے بیچ میں ایک موج حائل ہوگئی پس وہ (بھی مثل دوسرے کافروں کے) غرق ہوگیا۔'' (بیان القرآن)

حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے کافی عرصہ (تبلیغ کر لینے کے) بعد حکم دیا کہ کشتی بناؤ! جس میں مسلمانوں کو سوار کرلو۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کافرہ تھی اور ان کا ایک بیٹا بھی کافر تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اگر چہ عفیف تھی لیکن خاندانی جاہلیت اور تعصب کی وجہ سے مسلمان نہ ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بیٹے کو (کافی) ترغیب دی مسلمان ہوجانے کی لیکن وہ نہ مانا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے اسے پانی میں غرق کردیا گیا۔

صاحب زادہ کا مطلب

آج کی بات میں اخون زادگان اور صاحبزادگان سے کہنا چاہتا ہوں اخون زادہ کا مطلب ہے استاد کا بیٹا اور صاحبزادہ کا مطلب ہے پیر کا بیٹا۔ (یاد رکھیں) تمہارا دادا بڑا پیر یا بڑا عالم بھی ہوتب بھی نبی تو نہیں ہوسکتا تو پھر تم کیوں مغرور ہو؟

بڑوں کی اولادیں عموماً محروم ہوتی ہیں

آپ دیکھیں گے کہ بڑے بڑے علما اور بڑے بڑے پیروں کے بیٹے (عام طور سے) محروم ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے یہاں فیصلہ طلب پر ہے نہ کہ صاحبزادگی پر۔ ایسا نہیں ہے کہ کوئی شخص طالب بن کر طلب لے کر آئے اور اللہ تعالیٰ اس سے یہ کہہ دیں کہ ہٹ جاؤ! (تم تو عام سے آدمی ہو) پہلے صاحبزادہ صاحب کو آنے دو۔ سب اللہ کے بندے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اپنا دوست بنایا، اس کے باوجود بھی ان کے باپ کا اللہ تعالیٰ نے لحاظ نہ کیا بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے لیے مغفرت کی دعا مانگنے سے منع فرمایا گیا [۱] کہ باپ کے لیے دعا نہ مانگو۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی [۲] اور حضرت نبی کریم ﷺ کے چچا ابوطالب بے ایمان سے دور تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا لحاظ نہ کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لحاظ کرتے ہیں ہدایت کی طلب رکھنے والوں کا اور اللہ ہمیشہ طلب والوں کو ہی

---

[۱] مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ○ (التوبہ: ۱۱۴)

(ترجمہ) نبی اور جولوگ ایمان لائے ہیں ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں اگرچہ وہ (مشرکین) رشتہ دار ہی ہوں جب ان پر یہ ظاہر ہو چکے کہ وہ (اموات) اہل دوزخ ہیں اور ابراہیم کا اپنے باپ کے حق میں دعائے مغفرت کرنا تو محض وعدہ کے سبب تھا جو انہوں نے اُس سے کرلیا تھا پھر جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بے تعلق ہو گئے بیشک ابراہیم بڑے ہی نرم دل (اور) بردبار تھے۔ (ماجدی)

[۲] ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ○ (التحریم: ۱۰)

(ترجمہ) اللہ ان لوگوں کے لئے جو کافر ہیں مثال بیان کرتا ہے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی وہ دونوں ہمارے (خالص) صالح بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں لیکن انہوں نے ان کے حق ضائع کئے تو وہ دونوں نیک بندے اللہ کے معاملہ میں اُن کے ذرا کام نہ آ سکے اور دونوں عورتوں کو حکم ملا کہ تم بھی دوزخ میں داخل ہو اور داخل ہونے والوں کے ساتھ۔ (تفسیر ماجدی)

ہدایت دیتے ہیں۔ نہ کہ بے طلب لوگوں کو جو ہدایت سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔

صاحب زادگان کو ایک مشورہ

صاحبزادگان یادرکھیں! کہ تمہارے بڑوں کو اعزاز ملا تھا عاجزی کو اختیار کر لینے کی وجہ سے۔ جبکہ تم اس اعزاز کو متکبری (تکبر اور غرور) سے باقی رکھنا چاہتے ہو۔ (سوچو! کہ) کیا یہ ممکن ہے؟

پیروں کے بیٹے بڑے ٹیڑھے ہوتے ہیں، اس کی ایک وجہ (تو گھمنڈ ہے کہ میں پیر کا بیٹا ہوں البتہ ایک اور بھی وجہ ہے منجملہ دیگر وجوہات کے وہ یہ ہے کہ) مرید بھی انہیں خراب کر دیتے ہیں۔ پیسے ہدایا اور بے جا عزت ان کے اخلاق کو بگاڑ دیتی ہیں۔ (اس لیے مریدین کو بھی احتیاط سے کام لینا چاہئے) صاحب مبارک (کربوغہ شریف کے بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت مجاہد عبدالغفور سواتی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے نہ کہ لوگوں کی عزت کرنے سے۔ (صاحبزادگان یادرکھیں) کہ اگر وہ عاجزی اختیار کرلیں تو یہ اپنے باپ سے بھی بڑھ جائیں گے۔ کیونکہ انہوں نے تواضع اختیار کی تھی فقیری کے زمانے میں ہم بادشاہی میں فقیری کرنے والے ہوں گے۔ ایک بات یہ بھی یادرکھیں کہ جو خود نیک نہ ہو وہ باپ کی نیکی سے بزرگ نہ ہوگا۔ (ایک پشتو کہاوت ہے)

کمہ ناوے چہ پہ خپلہ خائستہ نہ وی
خوک لیئے خہ کاندی خائستہ موروانیا

”جو دلہن خود اپنی ذات سے خوبصورت نہ ہو تو (اگر چہ اس کی ماں اور نانی بڑی حسینائیں ہوں) اس کی ماں اور نانی کے حسن کو کوئی کیا کرے گا (یعنی کیا فائدہ اصل تو یہ ہے کہ دلہن خود حسین ہو) عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آدمی خود سے نیک ہو باپ دادا کی نیکی اس کے کیا کام آئے گی۔ اس لیے کوشش کریں خود نیک بنیں، داڑھیاں رکھیں، تواضع اختیار کریں اور خیر کے کام کریں۔

اعتکاف کے چند ضروری مسائل

حضرت والا مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے بیسویں روزے کو فجر کی نماز کے بعد فرمایا:

آج سے باقاعدہ اعتکاف شروع ہوگا۔ کچھ لوگ پہلے ہی سے اعتکاف میں بیٹھے ہیں وہ بھی خوش بخت ہیں۔ مجھے بھی کل ہی بیٹھنا تھا اور دل بھی چاہ رہا تھا لیکن اس لیے نہ بیٹھا تاکہ یہاں کے لوگ روزوں کے بارے میں کسی شبے کا شکار نہ ہوں (یعنی لوگ پھر بلاوجہ بیسویں روزے کو اکیسواں خیال کرتے) نبی کریم ﷺ ہر سال اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ اعتکاف مسجد میں ہوتا ہے اور مسجد سے مراد عبادت والا حصہ ہے باقی آگے پیچھے کی جگہیں مسجد نہیں ہوتیں (مراد اس سے مسجد کا وضو خانہ، مسجد کے بیت الخلا وغیرہ ہیں) ہم نے اپنی مسجد بتدریج بڑھائی ہے، مسجد کے مینار کی سیڑھیاں مسجد کا حصہ ہے (اس سے مراد حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی خانقاہ سے متصل مسجد ہے، باقی یہ حکم عام نہیں ہے کہ ہر جگہ مینار کی سیڑھیاں مسجد کے حکم میں ہو بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر متولی مسجد نے وہ سیڑھیاں مسجد کا حصہ قرار دی تو پھر وہ مسجد کا حصہ ہوں گی ورنہ نہیں) مینار کی سیڑھیاں چونکہ مسجد کا حصہ ہے (اس سے بھی مراد مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ والی مسجد ہے، حکم عام نہ سمجھا جائے) اس لیے اس کے آداب بھی مسجد والے آداب ہی ہیں۔

نفل نماز (تلاوت) کے لیے وضو کر سکتے ہیں کیونکہ نفل اگرچہ خود نفل ہے لیکن وضو تو اس کے لیے بھی فرض ہی ہے۔ معتکف نفلی وضو نہیں کر سکتا، (نفلی وضو سے مراد وضوءِ قربت ہے یعنی وضو ہے پہلے سے پھر بھی ثواب کی نیت سے دوبارہ وضو کرنا یہ معتکف کے لیے منع ہے) اگر سر مسجد سے باہر ہو تو اعتکاف برقرار ہے لیکن اگر پاؤں بھی گئے تو آپ بھی گئے (یعنی اعتکاف ختم ہو جائے گا) اعتکاف کے دوران فرض غسل کے علاوہ کوئی اور غسل نہ کریں البتہ اگر مجبوری ہو تو وضو کے دوران ہی اپنے اوپر پانی بہائیں جلدی جلدی۔ معتکف کا سونا بھی عبادت ہے۔ معتکف ضروریاتِ زندگی (جیسے کھانا، قضائے حاجت) کے لیے باہر جا سکتا ہے (کھانے میں یہ تفصیل

ہے کہ اگر کوئی لانے والا نہ ہو یالانے والا ہے تو سہی لیکن اجرت مانگتا ہے۔ خوشی سے نہیں لاتا تو پھر اس صورت میں معتکف خود جا سکتا ہے) ہاتھ دھونے کے لیے اور خروج ریح کے لیے باہر نہیں جانا چاہئے۔ (خانقاہ میں چونکہ اعتکاف کے ایام میں ساتھیوں کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے بسا اوقات مسجد میں وسعت کے باوجود بھی کمی ہو جاتی ہے اس لیے اس بات کے پیش نظر مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے فرمایا) اگر اعتکاف میں ساتھی زیادہ ہوں تو جن لوگوں کا اعتکاف نہیں ہے تو وہ کمروں میں جا کر سوئیں پھر فرمایا کہ اصول کے مطابق اعتکاف کریں ایک سال تک فائدہ محسوس ہوگا۔

بائیسویں مجلس

احکامِ الٰہی کے درجات کی حکمتیں

ایک عام غلط فہمی

اللہ تعالیٰ کسی کام کا حکم دے رہا ہے تو اس حکم کی حیثیت کیا ہے فرض ہے، واجب ہے یا مستحب ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کے کئے ہوئے احکامات کے بھی درجات ہیں۔ ان (متفاوت درجات کی وجہ سے) بعض لوگوں کو غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ فرائض ضروری ہیں باقی سنت اور مستحب تو بس ثواب ہی کی چیزیں ہیں۔ اس کی وجہ سے لوگوں کی عملی زندگی برباد ہو جاتی ہے۔ احکام موجبہ (یعنی کرنے کے کام) کی طرح احکامِ سلبیہ (یعنی نہ کرنے کے کام جیسے زنا، جھوٹ وغیرہ) کے بھی متفاوت درجات ہیں (جیسے حرام ہے، ناجائز ہے مکروہ تحریمی ہے اور مکروہ تنزیہی ہے) اس میں بھی بعض لوگ بے احتیاطی کرتے ہیں کہ مثلاً فلاں چیز ہم کر رہے ہیں تو وہ حرام نہ ہو بس پھر گویا کہ کر سکتے ہیں حالانکہ ایسی بات نہیں ہے، بلکہ ہر طرح کے سارے احکام پر عمل ہونا چاہئے دراصل احکامات کے ان درجات اور فرق کی جو وجہ ہے اسے نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ اس لیے یہ بات یاد رکھیں کہ احکامات کے ان متفاوت اور مختلف درجات عمل کرنے یا نہ کرنے کے لیے نہیں ہیں بلکہ انکار کے وقت یہ درجات دیکھے جائیں گے (کہ خدانخواستہ مثلاً کوئی آدمی کسی حکم کا منکر ہے مثلاً وہ کہتا ہے کہ میں یہ فلاں حکم نہیں کرتا تو اب دیکھا جائے گا کہ اگر وہ فرض یا حرام اعمال میں سے تھا تو پھر یہ انکار کرنے والا شخص کافر ہو جائے گا اسی طرح اگر وہ حکم فرض نہیں بلکہ سنت ہے یا مثلاً جائز ہے تو اب انکار کرنے والا اگر چہ کافر تو نہ ہوگا البتہ وہ فاسق اور بدترین گناہ گار ضرور ہوگا) ہم نے (کیا کیا کہ) درجاتِ حکم کو عمل کا درجہ دے دیا ہے جس سے عملی

زندگی میں فرق آیا۔ حالانکہ عملاً تو یہ سارے کام کرنے کے ہیں یعنی فرض کی طرح سنت ومستحب بھی عمل ہی کے لیے ہیں اسی طرح حرام سے بچنے کے ساتھ ساتھ ناجائز ومکروہ اور مشتبہ سے بھی بچنا ہی ہے یہ نہیں کہ بس حرام سے بچ گئے باقی جو چاہیں کرتے پھریں تو ایسی بات نہیں ہے۔ بلکہ ہر طرح کے چھوٹے بڑے گناہوں سے بچنا چاہئے۔

سچے عاشق کا مذہب

جو سچا عاشق ہوگا وہ فرض، سنت، اور مستحب نہیں دیکھے گا بلکہ وہ اللہ کی رضا کو تلاش کرے گا (اس لیے کہ اس کے نزدیک تو جو کرنے کے کام ہیں وہ سب (گویا کہ فرض ہیں کیونکہ) عاشق کا مذہب یہ ہے کہ جو میرے رب کا حکم ہے وہ میں نے کرنا ہے اور جس سے منع کیا گیا ہے ان سب سے منع ہونا ہے (کیونکہ عاشق کے مذہب میں منع کردہ سارے کام بس گویا حرام ہی ہوتے ہیں) چنگاری چھوٹی ہو یا بڑی کپڑوں کو آگ لگا دیتی ہے۔ عاشقوں کے مقابلے میں استدلالیوں کا مذہب ہے۔ عشاق کے بارے میں یہ حدیث ہے:

الاثم ماحاک فی صدرک [۱] ''جو چیز تمہارے دل میں کھٹکے وہ گناہ ہے۔''

ظاہر ہے کہ جب دل صاف ہوگا تب ہی کھٹکے گا۔ وگرنہ جب خود دل میں ہی طرح طرح کے کھٹکے ہوں پھر خارجی کھٹکہ کیسے محسوس کرو گے؟ کمزور عاشق مفتی سے مشتبہ چیزیں پوچھتے رہتے ہیں کہ جی یہ جائز ہے یا نہیں؟ لیکن جب دل صاف ہوگا (اور بنا ہوا ہوگا تب ایسے کامل الایمان عشاق سے آپ ﷺ نے فرمایا:

استفت قلبک ''اپنے دل سے پوچھو۔''

دل کا ٹھیک ہونا یہ ہے کہ وہ کرنے کی ساری چیزیں کر ڈالے اور نہ کرنے کی ساری نہ کرے۔

---

[۱] رواہ کتاب المجموع ج ۹ ص ۱۰۷ کتاب البیوع فصل فی الورع الخ: (۲) اخرجہ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۴۴ واتحاف ج ا ص ۱۲۰ وکنز العمال ج ۱۰ ص ۲۵۰

تیئسویں مجلس

اللہ کا قرب قربانی سے ملے گا

قربانی کیا ہے

اللہ تعالیٰ کا قرب قربانی سے ملتا ہے۔ قربانی کیا ہے۔ قربانی یہ ہے کہ انسان اپنے جذبات کو قربان کردے اور اللہ کا حکم پورا کرے جذبہ یہ ہے کہ لڑا جائے حکم ہے کہ نہ لڑو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کہ جذبہ قربان کیا گیا حکم پورا کیا اور لڑائی صلح میں بدل گئی صلح حدیبیہ اس کی بڑی مثال ہے (تفصیلی واقعہ سیرت کی کتابوں میں ہے اختصاراً یہ ہے کہ) صحابہ کرام ؓ آپ ﷺ کے ہمراہ عمرہ ادا کرنے کی نیت سے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کو روانہ ہوئے۔ مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام پر جس کا نام حدیبیہ ہے صحابہ ؓ نے پڑاؤ ڈالا۔ دوسری طرف مکہ کے کفار نے مشورہ کیا اور صحابہ ؓ کو عمرہ ادا نہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ (کفار کو خدشہ تھا کہ کہیں صحابہ کرام جہاد کی نیت سے نہ آئے ہوں اگرچہ صحابہ ؓ نے ہر طرح یقین دہانی بھی کرادی تھی کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں بلکہ صرف عمرہ کرنے ہی آئے ہیں مگر وہ پھر بھی نہ مانے آخر کار یہ طے ہوا کہ مسلمان کفارِ مکہ کے ساتھ ایک معاہدہ کریں گے جس کی روشنی میں چند شرائط ہوں گی اور انہی میں سے ایک یہ بھی تھا کہ صحابہ کرام ؓ اس سال واپس لوٹ جائیں بغیر عمرہ ادا کیے پھر آئندہ سال آکر عمرہ کرلیں یہ شرط بڑی مشکل تھی اس کے علاوہ بھی صلح کی دیگر شرائط بھی صحابہ ؓ کے لیے تسلیم کرنا مشکل تھا اسی بناء پر صحابہ کرام ؓ کی رائے یہی تھی کہ صلح نہیں کریں گے بلکہ جہاد ہی کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہوا کہ صلح کرلو چنانچہ صحابہ نے اپنے شدید دلی جذبات کو روندا اور اللہ کے حکم کے مطابق صلح کرلی۔ شروع میں جذبہ یہ تھا کہ لڑیں گے لیکن حکم ہوا کہ نہ لڑو کفار سے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کہ جذبہ کچلا گیا اور

حکم کو پورا کیا۔ غزوۂ بدر اس کی بڑی مثال ہے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر (تفصیلی واقعہ سیرت کی کتابوں میں موجود ہے مختصراً یہ کہ) صحابہ کرام ﷺ صرف ابوسفیان کے قافلے کو روکنے جارہے تھے (کیوں کہ یہ تجارتی قافلہ کفار کی مدد واعانت کے لیے تھا) جب صحابہ کرام ﷺ کی جماعت جو کہ ۳۱۳ نفوس قدسیہ پر مشتمل تھی مدینہ منورہ سے چل کر بدر کے مقام تک پہنچے تو معلوم ہوا کہ ابوسفیان کا تجارتی قافلہ راستہ بدل کر کسی اور راستے سے پہنچ چکا ہے دوسری طرف مکہ کے کفار کو کسی طرح یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ صحابہ قافلہ روکنا چاہتے ہیں اس لیے وہ ایک ہزار کا مسلح لشکر لے کر بدر آپہنچے۔ اب صورت حال بڑی عجیب ہوگئی تھی کہ صحابہ کرام کی یہ مختصر سی مبارک جماعت تو صرف ایک قافلہ روکنے کی غرض سے یہاں تک آئی تھی اس لیے کوئی جنگی تیاری نہ تھی بس گنتی کے دو چار ہتھیار ہی لے کر آئے تھے سواریوں کا بھی یہی حال تھا غرض یہ کہ صحابہ کرام ﷺ کسی طرح بھی لڑائی کی پوزیشن میں نہ تھے جبکہ دوسری طرف سے چھری کانٹے سے لیس ایک ہزار افراد لشکر تھا۔ ظاہر ہے کہ بظاہر مقابلہ مشکل تھا۔ اس لیے بعض صحابہ کرام ﷺ کی (بنا ے خیر خواہی کے کہ کہیں یہ شریر لوگ ہماری جماعت کو نقصان نہ پہنچا ئیں) رائے دی کہ اس وقت نہ لڑا جائے لیکن حکم یہ تھا کہ اسی وقت اور اسی حال میں ہی لڑنا ہوگا چنانچہ صحابہ نے اپنے جذبے کو روندا اور حکم پر عمل کرتے ہوئے میدان میں اترے، غزوہ بدر کے نام سے حق و باطل کا یہ پہلا باضابطہ مقابلہ تھا جس میں اللہ نے اپنے نام لینے والوں کی ایسی غیبی تائید ونصرت فرمائی کہ جس کا کھلی آنکھوں بھی مشاہدہ کیا گیا۔ اس غزوے میں اللہ نے مسلمانوں کو شاندار فتح عنایت فرمائی اور کفار بدترین شکست سے دوچار ہوئے۔ تو بہرحال اللہ کا قرب قربانی سے ملے گا۔

☆ جذبات کی قربانی دینی ہے۔

☆ لذائذ کی قربانی دینی ہے۔

☆ شہوات کی قربانی دینی ہے۔

☆ مال کی قربانی دینی ہے۔

☆ جان کی قربانی دینی ہے۔

کم بولنا، کم کھانا، کم سونا یہ سب مجاہدے قربانیاں ہیں۔ الغرض یہ کہ ان قربانیوں سے اللہ کا قرب ملے گا۔

حقیقی آزادی

صحیح آزادی یہ ہے کہ انسان نفس کی غلامی سے آزاد ہو جائے نفس انسان کے قابو میں ہو، عقل لگام ہو اور وحی کی روشنی میں اسے چلائے ۔ تو اس صورت میں نفس غلام ہوگا جبکہ تم خود آزاد ہو گے ورنہ نفس آزاد ہوگا اور تم خود غلام ہو جاؤ گے۔

ایک سبق آموز واقعہ

واقعہ یہ ہے کہ کسی رئیس آدمی کا ایک طوطا تھا جو کہ بولنا بھی جانتا تھا اور طرح طرح کی باتیں کر لیتا تھا۔ رئیس بھی اس کا بڑا خیال رکھتا تھا کہ اس کے تمام مرغوبات اسے وافر مقدار میں لا کر دیتا تھا۔ وہ طوطا فضا میں اڑتے پرندوں اور دوسرے طوطوں کو دیکھتا تو اسے رشک بھی خوب آتا تھا لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی آتا تھا کہ یہاں جو مراعات حاصل ہیں وہ پھر کہیں اور پتہ نہیں کہ ہوں یا نہ ہوں۔ بہرحال دن گزرتے گئے، کچھ عرصے بعد اس رئیس کو کسی تجارتی کام سے ہندوستان جانا تھا تو جانے سے پہلے اس نے اپنے سب گھر والوں سے پوچھا کہ تم لوگوں کے لیے وہاں سے کیا کیا لاؤں خیر ہر ایک نے کوئی نہ کوئی فرمائش کی۔ پھر اس نے طوطے سے بھی پوچھا کہ (ہاں بھئی) تمہارے لیے کیا لاؤں؟ طوطے نے اس سے کہا کہ مجھے تو کسی چیز کی کوئی خواہش نہیں ہے البتہ تم اتنا کر لو کہ جب تمہیں کچھ طوطے مل جائیں تم ان کو پہلے تو میرا اسلام کہہ دینا پھر ان سے کہنا کہ تمہارا ایک بھائی ہمارے گھر میں ہے۔ پھر وہ جو جواب دیں وہ آپ آ کر مجھے بتلائیں۔ اس کے بعد وہ شخص چلا گیا سفر کر کے اس نے جس کی جو فرمائش تھی پوری کی پھر آخر میں وہ طوطوں

کے پاس بھی گیا اور انہیں اپنے طوطے کا پیغام سنایا سلام سنایا۔طوطے سارے درخت پر بیٹھے تھے
پیغام سنتے ہی ان میں سے ایک طوطا درخت سے مرکر نیچے آگرا۔ اسے بڑا صدمہ ہوا کہ یہ
طوطا بیچارہ مرگیا خیر وہ واپس آیا۔آکر اس نے طوطے کو ساری صورت حال بتلادی طوطا وہ واقعہ
سنتے ہی گر پڑا وہ شخص بڑا پریشان ہوا کہ یہ کیا ہوگیا میرا بھی طوطا مرگیا۔ خیر اس نے
نکالا الٹا پلٹا کر دیکھا تو وہ مرا ہوا تھا اس نے اسے اٹھا کر گھر سے باہر پھینکنے کو فضا میں اچھالا تو وہ پھڑ
پھڑا کر اڑنے لگا اور اڑتے اڑتے اس رئیس آدمی کے سامنے جو دیوار تھی اس پر آبیٹھا۔وہ آدمی
بڑا حیران ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے یہ تو مرگیا تھا پھر ابھی اڑ رہا ہے مطلب یہ ہے کہ اس نے مجھے
چکردے دیا ہے۔تو اس نے طوطے سے پوچھا کہ آخر تو نے یہ سب کچھ کیوں کیا۔طوطے نے
اسے صورت حال بتلاتے ہوئے کہہ کہ تیرے سامنے وہ جو طوطا گرا تھا تو اس نے مجھے یہ پیغام
دیا تھا کہ اگر تو آزاد ہونا چاہتا ہے تو اپنے نفس کو مارڈالو پھر آزادی ملے گی۔ جب تک نفس کو نہ
ماروگے تو قید ہی رہوگے اس نے اپنے عمل سے مجھے یہ سبق سکھلایا تھا اس لیے اس کی اس تعلیم
سے مجھے حقیقی آزادی کا راز مل گیا تھا۔اب میں فضاؤں میں اڑتا پھروں گا یہ کہہ کر اس نے اس
شخص کو بھی نصیحت کی کہ میرے دوست تم بھی نفس کے پنجرے میں پھڑپھڑا رہے ہو اور قیدی ہو
اگر چاہتے ہو کہ آزادی ملے اور جنت کے باغات میں سیر کرو اور دنیا میں روحانی پروازیں ہوں۔تو
اپنے نفس سے آزاد ہوجاؤ۔خواہشات کی بجائے احکامات پر چلنے کی زندگی اختیار کرو۔وہ
طوطا اڑا اور اڑتے اڑتے ان آدمی کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

اس لیے یاد رکھیں کہ نفس کو مار کر پابند کرنے سے آزادی ملے گی۔اگر نفس پابند ہوجائے تو
یہ بہت کمال کی چیز ہے،اگر بہت بگڑا اور مضبوط نفس ہو تو قابو ہوجانے کے بعد اتنا ہی وہ کام کا بھی
ہوتا ہے۔بکری کو قابو کرو۔وہ کتنا بوجھ اٹھائے گی اور ہاتھی کو قابو کیا تو وہ کتنا بوجھ اٹھائے گا۔

ہر کام انہماک سے کریں

دوسری بات یہ ہے کہ آپ ہر کام انہماک سے کریں، انہماک کے ساتھ کام کرنے کے مفید نتائج برآمد ہوں گے۔ ایک بڑی محرومی کی بات یہ ہے کہ انسانی نفس رسم ورواج کا عادی ہوجاتا ہے۔ پھر نفس رواجی ذہن سے باہر نہیں آتا۔ یادرکھیں کہ جو بھی انہماک سے کام کرے گا قدرت اس کی مددگار رہوگی۔ کام کرنے والا چاہے مسلمان ہو یا کافر۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

نُمِدُّ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ

''ہم ان کی بھی مدد کرتے ہیں اور ان کی بھی''

اس لیے آپ نفس کو پابند کریں ادھر اُدھر بھاگنے نہ دیں۔ اس پر صبر کریں۔ دوسرا یہ کہ رسوم ورواج سے باہر آجائیں اور نفس کو ہر کام پر انہماک کے ساتھ جمانے کی عادت اپنائیں۔

چوبیسویں مجلس

ہدیہ سے متعلق چند ضروری باتیں

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

تہادوا تحابوا [۱]

”آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیتے رہا کرو تمہاری باہمی محبت بڑھے گی۔“

☆ جو ہدیہ دے تم بھی اسے کچھ دو۔

☆ ہدیہ وہ شخص قبول کرے جو دینے والے ہاتھ کو اللہ کا ہاتھ سمجھے، اگر وہ دینے والے ہاتھ کو اللہ کا ہاتھ نہیں سمجھے گا تو وہ مخلوق سے طمع کرے گا، اور مخلوق کا غلام ہو جائے گا اور یہ بات سالک کے لیے نقصان دہ ہے۔

☆ اگر ایک آدمی دوسرے آدمی کو بظاہر ہدیہ دینے کا ارادہ کر رہا ہو تو اس وقت وہ لینے سے انکار نہ کرے جب تک صورتحال واضح نہ ہو جائے اور نہ کوئی تیسرا آدمی اس کو پیشگی روکنے کی کوشش کرے۔ (اس میں بڑی حکمتیں ہیں ایک یہ کہ) کیا معلوم کہ اس نے ویسے ہی جیب میں ہاتھ ڈالے ہوں۔ کوئی اور چیز نکال رہا ہو، پھر اس کو یا آپ کو شرمندگی ہو گی۔

ایک واقعہ

کہیں کوئی پیر صاحب تھے ساتھ ان کے ایک مرید بھی تھے ایک تیسرے صاحب نے پیر صاحب کے پاس آ کر اپنی جیب میں ہاتھ ڈالے (شاید ان پیر صاحب کا معمول ہدیہ نہ لینے کا تھا اس لیے) اس مرید نے فوراً ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگا کہ ہدیہ وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ

---

[۱] اخرجه البيهقي في الكبرىٰ ج٦ص١٦٩ كتاب الهبات بات التحريض على الهبة الخ

آدمی کہنے لگا کہ میں تو ہدیہ نہیں بلکہ اپنا ایک خط انہیں دینا چاہتا ہوں۔

☆ ہمارے دادا جی کے پاس ایک آدمی ہدیہ دینے آتا تھا تو دادا جی ان کے ہدیہ میں دیے ہوئے پیسوں کے ساتھ اپنی طرف سے اور پیسے ملا کر دے دیا کرتے تھے۔

☆ ہدیہ دیتے وقت نیت خالص اللہ کی رضا کی رکھنی چاہئے۔

بعض ہدیے رشوت ہوتے ہیں

☆ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ہدیہ نہیں لیا کرتے تھے بلکہ سختی سے واپس کر دیا کرتے تھے (چونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے، تو ایسے موقع پر ہدایا اکثر رشوت ہوا کرتی ہیں۔

☆ بعض ہدایا رشوت ہوتی ہیں۔

ایک میرے رشتے دار کے دوست تھے وہ ان کے پاس آئے اور میرے ساتھ کوئی کام تھا اس نے بات کرنے سے پہلے پیشگی مجھے دوسو روپے دیے کہ یہ آپ کے لیے ہدیہ ہے میں نے منع کر دیا۔ اس نے اصرار بھی کیا مگر میں نے قبول نہیں کیے۔ میرے رشتے دار کے دوست کے ایک اور بھائی تھے ان کا مجھ سے تعلق تھا۔ خیر میں نے جب دوسو روپے کا ان کو منع کیا۔ تو وہ بعد میں مجھ سے کہنے لگے کہ آپ میرے بھائی سے کہیں کہ وہ اپنی زمین میرے نام پر کروادیں۔ میں نے کہا یہ تو مناسب نہیں ہے وہ کہنے لگا کہ آپ سفارش کر دیں بہر حال میں نے معذرت کر دی۔ تو کیا وہ ہدیہ تھا؟ وہ دراصل ہدیہ نہیں بلکہ رشوت تھی۔

☆ رشوت کے لوگوں نے عجیب عجیب نام رکھے ہیں۔ پولیس والے چائے پانی کہتے ہیں۔ باقی بظاہر دیندار لوگ نذرانہ کہتے ہیں (بعض اچھے لوگ بھی مریدوں سے طمع کرتے ہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے) اس سے زیادہ ذلیل اور کون ہوگا جو دین کو فروخت کر دے۔

ایک پیر کے مرید کا عجیب خواب

کسی پیر کے ایک مرید نے خواب دیکھا خیر خواب بڑا عجیب تھا۔ بہرحال مرید صاحب نے آ کر پیر صاحب کو خواب کا بتایا ساتھ سنا دینے کی اجازت بھی مانگی، پیر صاحب نے اجازت دے دی۔ مرید کہنے لگا حضرت رات کو بندہ نے خواب میں یہ دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کو شہد لگا ہوا ہے اور میں اسے کھا رہا ہوں پیر صاحب بڑے خوش ہو کر کہنے لگے یہ تو میری کرامت ہے مرید نے ادب کے ساتھ عرض کیا کہ حضرت آدھا خواب باقی ہے۔ پیر نے کہا وہ بھی سنا دو۔ مرید کہنے لگا کہ حضرت میری انگلیوں پر انسانی پاخانہ لگا ہوا ہے اور آپ اسے چاٹ رہے ہیں۔

بہرحال پیر صاحب سخت خفا ہوئے کہ نالائق میری توہین کر رہا ہے، بھاگ جاؤ یہاں سے۔ یہ تو ایک واقعہ ہے اگر حقیقت ہو تو اس خواب کی بڑی جامع تعبیر بھی ہے۔ تعبیر یہ ہے کہ مرید پیر کی انگلیوں سے شہد کھا رہا تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مرید سچا تھا اور اللہ تعالیٰ کا طالب تھا۔ جبکہ پیر ان کی انگلیوں سے پاخانہ کھا رہا، تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس مرید سے دنیا کا طالب تھا۔ بہرحال ہر وقت اللہ ہی سے طمع کریں اللہ ہی سے امید رکھیں مخلوق سے مایوس ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہی عطا کرنے والے ہیں۔ یاد رکھیں جس کی دل کی آنکھیں خدا کو پالیتی ہیں اللہ تعالیٰ بھی انہیں نوازتے رہتے ہیں۔ اس لیے آپ خود کو ایسا بنائیں کہ آپ دل کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا مشاہدہ کریں۔

پچیسویں مجلس

کسبِ حلال کبھی بھی نہ چھوڑیں

ایک شیطانی فریب

آپ حسب ضرورت حلال کمائی کی کوشش کریں اور حلال کسب کبھی بھی نہ چھوڑیں۔ شیطان بڑا منصوبہ ساز ہے وہ تمہیں دینداری کے عنوان سے (بھی) گمراہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس کے پاس نورانی حجابات بھی ہیں وہ تمہیں اس حجاب سے مارے گا۔ جب ہمیں معلوم ہے کہ حلال روزی کمانا ایک فرض ہے، دوسرے فرائض کے بعد اسی کا نمبر ہے اس لیے آپ کبھی بھی اسے نہ چھوڑیں۔ آپ کی کسی مدرسے میں تدریس ہے، یا امامت ہے یا آپ پڑھاتے ہیں یا کوئی نوکری ہے تو شیطان (تمہاری راہ مارنے کے لیے پہلے) توکل کے نام سے اس شغل سے ہٹائے گا شیطان آپ سے کہے گا کہ توکل بڑی چیز ہے اس لیے توکل ہی کو اختیار کر لینا چاہئے باقی یہ سارے دھندے ہیں بس کہیں کسی مسجد کا کونا پکڑ کر بیٹھ جاؤ اور اللہ اللہ کرتے رہا کرو۔

ناقص توکل کے نقصانات

(اگر آپ شیطانی فریب کا شکار ہوگئے اور آپ نے کمانے کا سلسلہ ختم کر لیا تو شروع شروع میں آپ بڑے خوش ہوں گے آپ سمجھیں گے کہ بس ابھی میں اللہ والا ہوگیا) اب آپ کہیں گے کہ میں نے دنیا کو لات ماردی۔ اب میں نے کوئی بھی کام نہیں کرنا۔ آپ یہ بات یاد رکھیں!! کہ اس سے آپ کا توکل تام نہیں ہوگا۔ بظاہر یہ توکل نظر آئے گا لیکن درحقیقت توکل نہ ہوگا۔ اب اس توکل سے کیا ہوگا یہ ہوگا کہ شروع شروع میں آپ اپنی جمع پونجی سے کام چلاتے رہیں گے۔ یہ

پونجی چلتی رہے گی اور آپ یہی سمجھیں گے کہ میرا ایمان بڑھ رہا ہے۔ پھر کیا ہوگا کہ آپ کی جمع پونجی ختم ہو جائے گی۔ پھر آپ کو شیطان آپ کے دوستوں کا خیال دلائے گا۔ کہ فلاں دوست بہت اچھا ہے اور فلاں تو اور بھی اچھا ہے۔ الغرض یہ کہ آپ لوگوں کے ہدایا پر انحصار کریں گے جب ہدیہ کی عادت راسخ ہوگی تو پھر آپ کی نظر آہستہ آہستہ لوگوں کے جیبوں کی طرف جائے گی پھر یہ ہوگا (کہ آپ بری طرح طمع کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے) کہ کوئی ذرا اپنی جیب کی طرف ہاتھ بڑھائے گا آپ بس انتظار شروع کر دیں گے کہ مال آرہا ہے۔ اب آپ دیکھیں (اور موازنہ کریں) کہ شیطان نے (توکل کے خوش نما عنوان سے) آپ کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا ہے۔ آپ ایک اچھے آدمی تھے، آپ کے دل میں کسی سے طمع نہ تھی اور آپ کی نظر کسی کی جیب پر بھی نہ تھی۔ بلکہ آپ کا اللہ تعالیٰ پر ایمان تھا۔ شیطان نے اللہ کی ذات سے آپ کا اعتماد ختم کر کے مخلوق کے رحم و کرم پر آپ کو لا کر چھوڑ دیا۔ (بھلا یہ بھی کوئی توکل ہوا)

شیطان شروع شروع میں تمہارے لیے بڑے دلائل پیش کرے گا کہ اس میں یہ یہ فائدے ہیں اس لیے آپ شیطان کے دھوکے میں نہ آئیں۔ (یاد رکھیں) توکل کا ایک اعلیٰ مقام اور درجہ ہوتا ہے جب تک آپ اس مقام پر نہ ہوں اس وقت تک حلال کسب کبھی بھی نہ چھوڑیں۔ بہت سارے لوگوں کو شیطان اس راستے سے گمراہ کر دیتا ہے۔

نفس اور شیطان تمہیں باریک راستوں سے گمراہ کرے گا اس لیے کوشش کریں کہ آپ کے ہاتھ میں قرآن وسنت کی رسی ہو۔ اس کی برکت سے آپ پر شیطان کا تسلط نہ ہوگا۔ اگر قرآن وسنت کی رسی ہاتھ سے نکل گئی تو پھر شیطان مختلف حیلوں بہانوں سے آپ کو گمراہ کرے گا۔

ایک سبق آموز واقعہ

یہاں کربوغہ میں ایک آدمی تھا، وہ شکاری تھا اس سے گزر بسر چلتا تھا۔ ایک دن مجھ سے آکر کہنے لگا کہ مفتی صاحب بس آج سے میں تمام کاموں اور شکار کو چھوڑ کر توکل اختیار

کر لیتا ہوں۔ مجھے ان کے حال پر رحم آیا اس لیے میں نے بہت سمجھایا لیکن وہ مصر رہے کہ بس میں اب توکل ہی کروں گا۔ بہر حال اس نے تمام کاموں اور شکار کو خیر باد کہہ دیا۔ پھر وہی ہوا جو ایسے موقعوں پر ہوتا رہتا ہے کہ شروع میں کچھ جمع پونجی تھی اسی پر انحصار رہا اور دل میں یہ خوشی رہی کہ توکل بڑھ رہا ہے پھر کچھ عرصہ بعد جب تنگی ہونے لگی تب وہ پریشان ہونے لگا کچھ دن اسی پریشانی میں گزرے پھر جب مجبوری حد سے تجاوز کر گئی تب ایک دن پھر میرے پاس آ کر کہنے لگا: کہ خواب میں، میں نے تیتر دیکھے، میں نے ان کو اتنا کہہ دیا جو کاروبار آپ کرنا چاہ رہے ہیں شروع کریں اور مجھے اندازہ ہوا کہ اس کو پھر شکار اور کاروبار کا شوق ہو رہا ہے۔ اس کے بعد ایک دفعہ آیا اور کہنے لگا مفتی صاحب آپ کا کیا خیال ہے کاروبار اور شکار کے بارے میں، جائز ہے کہ آدمی کاروبار اور شکار کرے یا ناجائز؟ میں نوعیت سمجھ چکا تھا اس لیے میں نے ان سے کہا کہ ہاں جائز ہے۔ اس لیے میں عرض کرتا ہوں کہ بعض لوگ شریعت کے خلاف کام کرتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں یہ توکل ہے۔ آپ ہمیشہ قرآن وسنت کی روشنی میں چلیں۔

چھبیسویں مجلس

اللہ تعالیٰ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے

ایک سبق آموز واقعہ

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے (مثنوی شریف میں) ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک علاقے میں چوریاں ہونے لگیں اور سخت قسم کی چوریاں تھیں بالآخر محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ عامیانہ لباس پہن کر رات کو رعایا کی خبر گیری کے لیے چل نکلے، اور حالت چوروں جیسی بنائی چلتے چلتے ایک جگہ انہوں نے دیکھا کہ پانچ آدمی بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ کون لوگ ہیں اور اس وقت اتنی رات گئے یہ لوگ یہاں کیا باتیں کر رہے ہیں۔ خیر محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی میں جا کر بیٹھ گئے۔ وہ پانچ آدمی تھے چور، اور کہیں چوری کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ محمود غزنوی چونکہ عامیانہ لباس میں ملبوس تھے اس لیے انہوں نے پہچانا نہیں بلکہ یہ خیال کیا کہ یہ بھی ہماری ہی طرح کا کوئی چور ہے۔ (آدمی جیسا خود ہوتا ہے اور دل پر ویسا ہی گمان کرتا ہے) انہوں نے اس کو پرکھنے کے لئے یہ نیا چور بھی کوئی فن جانتا ہے یا خواہ مخواہ ہمارے ساتھ شریک ہوتا ہے۔ اس لئے ان پانچوں میں سے ایک نے باقیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ ہم چھ ساتھیوں میں سے کس کو کیا فن آتا ہے اور کس میں کیا کمال ہے۔ یہ کہنے کے بعد اس نے ایک آدمی سے پوچھا: ہاں بھئی! تمہیں کیا فن آتا ہے اور کیا کمال ہے تمہارے اندر؟ اس نے کہا کہ کوئی خاص کمال تو مجھے نہیں آتا، البتہ اتنا ہے کہ جب کتے بھونکتے ہیں تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ کتے کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ کمال سنتے ہی وہ باقی پانچوں کہنے لگے کہ یہ تو بڑا کمال ہے تمہارے اندر اور رات کو عموماً کتے بھونکتے ہی ہیں اس لیے سمجھنا بھی

ضروری ہے اس لیے آپ کا ہمارے ساتھ ہونا بہت ضروری ہے۔ پھر اس پوچھنے والے نے ایک دوسرے چور کو مخاطب کر کے کہا کہ تمہیں کیا فن آتا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ زمین کے جس حصے میں سونا اور خزانہ دفن ہو میں مٹی سونگھ کر خزانہ بتا دیتا ہوں کہ یہاں ہے یا نہیں؟ یہ کمال سننا تھا کہ سب عش عش کرنے لگے کہ واہ بھئی واہ۔ یہ کمال تو چوری میں بہت ہی مفید ہے۔ آپ بہت باکمال ہیں۔ پوچھنے والے نے تیسرے سے یہی سوال کیا کہ جی تمہیں کیا کمال آتا ہے؟ اس نے کہا کہ اونچی سے اونچی عمارت میرے لیے کوئی مسئلہ ہی نہیں، بڑی سہولت سے میں بڑی بڑی عمارتوں پر کمند ڈال سکتا ہوں۔ باقیوں نے اس کی بھی تعریف کی۔ پھر اس پوچھنے والے نے چوتھے چور کا کمال پوچھا: چوتھا چور کہنے لگا کہ میں مضبوط سے مضبوط عمارت میں نقب لگا سکتا ہوں۔ اس کی بھی خوب تعریف ہوئی۔ پھر پانچویں کا کمال پوچھا گیا۔ اس نے کہا کہ میرے اندر یہ کمال ہے کہ انتہائی تاریک رات میں بھی اگر کسی شخص کو ایک نظر دیکھ لوں تو صبح اسے پہچان لیتا ہوں کہ یہ وہی ہے۔ اس کی بھی تعریف کی گئی محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ حیران بیٹھے یہ کمالات سنتے رہے سب کے کمالات سن کر اسے بڑی حیرت ہوئی اور وہ سوچنے لگا کہ یہ بہت بڑے بڑے چور ہیں یہی وہ چور ہیں جو ملک میں گڑبڑ کرتے ہیں اور چوریاں کرتے ہیں۔ اخیر میں پوچھنے والے نے ان سے بھی یہی سوال کر ڈالا کہ جی آپ کو کیا کمال آتا ہے۔ محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے۔ مجھے یہ کمال آتا ہے کہ اگر تم لوگ کہیں چوری کرتے ہوئے پکڑے گئے میرے سر ہلانے میں یہ کمال ہے اگر تم پھانسی بھی لگ جاؤ تو میرے سر ہلانے سے تمہیں پھانسی کی سزا سے نجات مل جائے گی۔ وہ پانچ چور یہ کمال سن کر انتہائی خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ سب سے بڑا کمال تمہارا ہے کیوں کہ ہمارے کمالات سے چوری تو ہو سکتی تھی لیکن ان کمالات میں نجات پانے کا کوئی کمال نہیں تھا یہ ہمارے اندر بڑی کمی تھی جو کہ آپ کے آنے سے پوری ہو گئی اب تو آپ ہمارے قطب اور بادشاہ بنیں گے کیونکہ آپ کی خوبی ہم سب کی خوبیوں سے بڑھ کر ہے۔

ایک دوسرے کے کمالات سننے کے بعد اب یہ مشورہ شروع ہوا کہ پھر آج کی رات چوری کس

جگہ کی جانی چاہئے۔ ان میں سے ایک کہنے لگا: میری رائے یہ ہے کہ آج ہم کیوں نہ بادشاہ ہی کے گھر میں چوری کرلیں۔ کیوں کہ اگر کامیاب ہوگئے تو بہت بڑی دولت ہاتھ آجائے گی اور اگر ناکام ہوئے اور گرفتار ہوگئے تب پھر کیا غم کیوں چھڑانے والا تو ساتھ ہی ہے۔ سب نے اسی بات کو پسند کرلیا اور پھر وہ بادشاہ کے محل کی طرف چلنے لگے۔

جب ہوس آتی ہے تو حقیقت چھپ جاتی ہے

جب یہ سب لوگ بادشاہ کے محل کے قریب پہنچے تو کتوں نے بھونکنا شروع کردیا اور پھر مسلسل بھونکتے ہی رہے۔ ان میں سے جس نے بتایا تھا کہ میں کتوں کی بولی سمجھتا ہوں تو سب نے اس سے پوچھا کہ سنو! کتے کیا کہہ رہے ہیں؟ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا کہ بڑی خطرناک بات ہے سمجھ نہیں آتا کہ بتادوں یا نہیں؟ ان لوگوں کا تجسس بڑھا کہنے لگے جلدی بتاؤ۔ اس نے کہا کتے یہ کہہ رہے ہیں کہ بادشاہ تمہارے ساتھ آرہے ہیں۔

چونکہ ان لوگوں پر ہوس چھائی ہوئی تھی کہ بادشاہ کے گھر میں چوری کرنے سے بہت بڑا مال ہاتھ آنے کی امید تھی اس لیے ان پر یہ حقیقت اور اس کی تاویل انہوں نے یہ کی کہ بادشاہ ہمارے ساتھ ہے کیونکہ ہم نے خود اسے امیر اور بادشاہ تسلیم کیا ہے۔ بادشاہ کے محل پر پہنچ کر سونگھنے والے نے سونگھنا شروع کیا جہاں خزانہ تھا اس نے اس کی نشاندہی کی۔ پھر جو کمند ڈالنا جانتا تھا اس نے واقعی بڑی پھرتی سے کمند ڈال دی۔ چڑھنے والے اس کے اوپر چڑھے۔ عمارت میں نقب والے سے نقب لگوائی گئی اور پھر سارا سونا خزانے سے باہر چوروں کے ہاتھ آچکا تھا۔ محل سے باہر آکر سونا تقسیم کیا گیا اور ایک دوسرے سے اجازت چاہنے لگے۔ محمود غزنوی نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا:

ساتھیو! اگلی رات کہاں اکٹھے ہونا ہے تاکہ ہم سب پہنچ سکیں دوسرا یہ کہ سب ایک دوسرے کو اپنے اپنے گھر کا پتہ بتلادیں تاکہ ضرورت پڑی تو پھر کوئی مشکل نہ ہو۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا اور سب کے گھروں کے پتے لیے اور دیے گئے۔ سارے پتے لے کر محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

واپس محل میں آ پہنچے اوران کی گرفتاری کے لئے فوراً اسی وقت فوجی لشکر کے پانچ چھوٹے چھوٹے دستے بنائے گئے اوران پانچ مقامات کی طرف روانہ کردیے گئے اور وہ گھوڑے سوار ہر ایک چور کے دروازے پر ان سے پہلے پہنچ گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ پانچوں لٹی دولت سمیت شاہی دربار میں بادشاہ کے حضور پیش کیے گئے۔ صبح کے وقت جب محمود غزنوی شاہانہ جاہ وجلال کے ساتھ تخت شاہی پر سرتاپاؤں غصے سے بپھرے ہوئے شیر کی طرح بیٹھے تھے، شاہی دربار میں بادشاہ کے غیظ وغضب کے سامنے سب درباری مارے خوف وہیبت کے بت بنے بیٹھے تھے، دربار میں سناٹے کا عالم تھا اور سب پر سکتے کی سی کیفیت طاری تھی۔ کہ اسی اثنا فوجی جوانوں کا ایک دستہ حاضر خدمت ہوکر عرض کرنے لگا: پانچوں چور گرفتار ہو چکے ہیں اور حاضر خدمت ہیں پھر اس کے ساتھ ہی ان پانچوں کو بادشاہ کے سامنے لاکھڑا کردیا گیا۔ شاہی رعب ودبدبے سے ان پانچوں کے دل پھٹے جارہے تھے اور پاؤں تھرتھر کانپ رہے تھے۔ چہروں پر ہوائیاں اڑی ہوئی تھی۔ جلاد کی برہنہ چمکتی تلواران کے سروں پر لٹکی ہوئی تھی موت ان کے سروں پر منڈلا رہی تھی۔ اوران کی حالت یہ تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو کا ایک قطرہ بھی نہ ہو۔

ایک دیوہیکل جلاد ننگی تلوار سونتے حکم شاہی کا منتظر تھا کہ اُدھر سے اشارہ ہوتے ہی ادھر پانچوں کے سرقلم ہوں۔ حالت تو ان پانچوں کی بہت خراب ہورہی تھی لیکن ان میں وہ شخص کہ جس نے کہا تھا کہ میں رات میں جسے دیکھ لوں صبح اسے پہچان جاتا ہوں، اس ایک کی حالت مختلف تھی وہ کبھی تو اپنے اور ساتھیوں سے بھی زیادہ خوفزدہ ہو جاتا تھا کہ بادشاہ ہمارے کرتوتوں سے واقف ہے اور کبھی امید کی کرن اس کے دل میں پیدا ہوتی تھی کہ شاید بادشاہ سرہلا کر ہمیں معاف کر دے۔ محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب جلاد کو حکم دینے ہی والے تھے اور وقت قریب ہوگیا۔ اطمینان کے آثار دیکھے تو ان سے پوچھا تو وہ عرض کرنے لگا کہ مجھے آپ سے ایک عرض ہے اگر اجازت ہوتو پیش کردوں؟ محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت دے دی۔ وہ کہنے لگا: کہ ہم میں سے ہر ایک نے اپنے جس کمال کا اظہار کیا تھا اس نے اس کمال کا مظاہرہ بھی کرادیا ہے اور ہر

ایک اپنے اس کمال میں سچا ہے۔ صرف ایک کے کمال کا مظاہرہ باقی ہے اس کو چاہئے کہ وہ اپنے کمال کا مظاہرہ کرے۔

سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر مسکرانے لگا، پھر ان سے مخاطب ہوکر کہنے لگا: تم سب کی معافی کی صرف ایک ہی صورت ہے وہ یہ ہے کہ تم سب صدقِ دل سے توبہ کرلو۔ وہ سب کہنے لگے۔ کہ ہم نے گرفتار ہوتے ہی سچی پکی توبہ کرلی تھی۔ اب دوبارہ آپ کے سامنے اس کا اقرار کرتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں۔ سلطان کو جب ان کے توبہ کا یقین ہو چلا کہ واقعی ان کی توبہ سچی ہے تو سلطان نے اپنی داڑھی سے اشارہ کیا جس کی برکت سے وہ سب رہا کردیے گئے۔ ؎

واقعہ سے ماخوذ سبق

اس واقعے سے ماخوذ سبق یہ ہے:

☆ دنیا میں ہر وقت، ہر گھڑی اور ہر جگہ اللہ تعالیٰ (بادشاہوں کے بادشاہ) ہمارے ساتھ ہیں اور وہ ہماری ہر حرکت اور ہر سکون پر باخبر گواہ ہے۔

☆ دنیا میں ہی اللہ کی معرفت حاصل کرلی جائے تو یہ معرفت آخرت میں کام آئے گی۔ جس کا دل اس دنیا میں اس دنیا میں بینا ہوا جس نے اپنے رب کو پہچانا ہوگا کل قیامت میں وہ اپنے رب کو دیکھ سکے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمائے گا۔

؎ مثنوی مولانا روم رحمہ اللہ

ستائیسویں مجلس

اللہ کی رضا اور اس کی محبت کو اپنا مقصود اصلی بنائیں

ایک بادشاہ اور اس کے وزیر کا دلچسپ قصہ

آج ایک اور واقعہ سناؤں گا اور وہ یہ ہے کہ ایک بادشاہ تھا اس کا ایک وزیر بھی تھا۔ ایک دن بادشاہ نے وزیر کو بلا کر کہا کہ مجھے آپ سے تین سوال کرنے ہیں، ان تین سوالات کے لیے تین دن کی مہلت دے دیتا ہوں اگر آپ نے ان تین دنوں میں جوابات ٹھیک ٹھیک بتا دیے تو پھر تو اعزاز و اکرام سے نوازوں گا۔ لیکن اگر تین دن میں آپ سے ان سوالوں کے جوابات نہ بن پڑے تب تمہیں قتل کروادوں گا۔ یہ کہہ کر بادشاہ نے وہ تین سوال بتائے جن میں۔

(۱) پہلا سوال یہ تھا کہ وہ کیا چیز ہے جسے ساری دنیا کے لوگ مانتے ہیں کوئی بھی اس کا منکر نہیں ہے۔

(۲) دوسرا سوال یہ تھا کہ وہ کون سا جھوٹ ہے جسے ساری دنیا کے لوگ سچ سمجھتے ہیں۔

(۳) تیسرا سوال یہ تھا کہ وہ کیا چیز ہے جس کے سامنے ساری دنیا کے لوگ جھکتے ہیں چاہے وہ بادشاہ یا وزیر، امیر ہو یا غریب، مرد ہو یا عورت غرض کوئی بھی ہو وہ اس چیز کے سامنے جھکتا ہے تو ایسی کیا چیز ہے۔

وزیر ان سوالوں اور تین دن کی مہلت کے ساتھ اپنے گھر کی طرف انتہائی پریشانی کے عالم میں روانہ ہوا۔ گھر پہنچ کر اس نے سب سے پہلے سوال نمبر ایک کو لیا پہلے سوال دہرایا پھر جواب سوچنا شروع کیا، وہ سوچنے لگا کہ وہ کیا چیز ہے جسے ساری دنیا کے سب لوگ مانتے ہوں۔ سوچتے سوچتے ذہن میں جواب آیا کہ وہ اللہ تعالیٰ ہیں کچھ خوشی بھی ہوئی کہ ایک سوال تو حل ہو چلا، لیکن

پھر خیال آیا کہ کمبخت دہریہ اللہ تعالیٰ کے منکر ہیں تو یہ جواب تو ٹھیک نہ ہوا اس لیے کہ بادشاہ نے کہا تھا کہ سب لوگ اسے مانتے ہوں اب اگر میں کہوں کہ اس سوال کا جواب اللہ ہے تو بادشاہ کہے گا کہ دہریہ تو اللہ کو نہیں مانتے، تب پھر میں کیا کروں گا۔ غرض یہ کہ وزیر اس سوال کا دوسرا جواب تلاش کرنا شروع کیا۔ سوچتے سوچتے خیال آیا کہ ہو نہ ہو اس کا جواب رسول ہے کیونکہ رسول کو سارے لوگ مانتے ہیں، لیکن پھر فوراً خیال آیا کہ نہیں بہت سارے بدقسمت و بدنصیب ایسے بھی ہیں کہ جو رسول کو بھی نہیں مانتے تو جواب یہ بھی نہ ہوا۔ پھر اس نے دماغ پر زور ڈالا اور نئے سرے سے سوال نمبر ا کا جواب تلاش کرنا شروع کیا ہر چند کوشش کی مگر ناکامی ہی کا سامنا رہا۔ مجبور ہو کر وزیر نے یہ سوال ایک طرف کیا اور دوسرے سوال کا جواب سوچنا شروع کیا سوال تھا کہ وہ کون سا جھوٹ ہے جسے ساری دنیا والے سچ سمجھتے ہیں، کافی غور وخوض ہوا، سوچ و بچار ہوئی لیکن اس سوال کا بھی کوئی معقول جواب نہ بن پڑا۔ اس سوال کے جواب سے بھی مایوس ہو کر وزیر نے تیسرے سوال کا جواب ڈھونڈنا شروع کیا۔ سوال تھا کہ وہ کیا چیز ہے جس کے سامنے ساری دنیا کے سب لوگ جھکتے ہیں۔ سوچتے سوچتے دماغ میں درد اٹھنے لگا لیکن جواب کوئی نہیں۔ پہلا دن مکمل ضائع ہوا۔ مہلت کے صرف دو دن جبکہ سوالات پورے تین کے تین جوں کے توں لاجواب باقی تھے۔

دوسرے دن پڑھے لکھے اور سمجھدار اور بلا کی ذہانت رکھنے والے افراد کی طرف رجوع کیا گیا سوالات انہیں بتائے گئے، غور وفکر شروع ہوئی اور جوابات سوچے جانے لگے دن ختم ہوا لیکن نتیجہ صفر ہی رہا کسی سوال کا کوئی بھی معقول جواب نہ بن سکا۔ اگلا دن آخری تھا۔ اور بس مہلت ختم ہو جاتی تھی مہلت کے خاتمے کے ساتھ ہی وزیر کا بھی خاتمہ ہو جانا تھا۔ تیسرے دن وہ کھیتوں میں سرگرداں پھر رہا تھا کہ موت میرے سر پر کھڑی ہے اور کل میرا خاتمہ ہو جائے گا۔ چلتے چلتے اس کا گزر ایک بوڑھے کسان پر سے ہوا جو اللہ والا آدمی تھا اللہ والے حلال کسب کرنے والوں میں ملتے ہیں وہ ہل چلا رہا تھا۔ اس نے وزیر کو پریشان دیکھ کر پوچھا کہ کیوں پریشان ہو

آئیں اپنا بوجھ ہلکا کریں۔ آدمی جب اپنا غم اور پریشانی کسی دوسرے کا بتاتا ہے اور وہ اس کو تسلی دیتا ہے تو اس کا غم اور پریشانی ہلکی ہوجاتی ہے۔ دونوں ایک پگڈنڈی پر بیٹھ گئے بوڑھے نے پوچھا آپ کو کیا ہوا۔ وزیر کہنے لگا کہ یہ بڑی دردبھری داستان ہے وزیر نے ان تین سوالات کا قصہ اس کسان کو بھی سنادیا۔ کسان سوالات سن کر چونک اٹھا اور کہنے لگا ارے بھئی وزیر اتنے آسان سوالات بھی تم سے حل نہ ہوئے کمال کی بات ہے؟ یہ تو میں ابھی اور اسی وقت بتادوں؟

یہ کہتے ہی اس نے جوابات بتانا شروع کیے کہ پہلے سوال کا جواب موت ہے کیوں کہ موت ایسی چیز ہے کہ اس کا انکار ساری دنیا میں کوئی بھی نہیں کرتا نہ ہی کرسکتا ہے۔ وزیر نے سوچا تو جواب واقعی یہی تھا۔ پھر کسان کہنے لگا کہ دوسرے سوال کا جواب یہ دولت جاگیر، زمین اور اس طرح کی چیزیں ہیں کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب ہمارے ہیں اور اس بات کو سب لوگ سچ بھی سمجھتے ہیں جبکہ یہ ہے جھوٹ۔ کیونکہ یہ ساری جاگیریں ہماری نہیں ہیں بلکہ ہم سے پہلے کسی اور کی تھی اور ہمارے بعد بھی کسی اور کی ہی ہوں گی۔ وزیر نے سوچا تو یہ جواب بھی ٹھیک تھا۔ اب تو وزیر اس کسان کا حددرجے معتقد ہوگیا اور بے تابی سے تیسرے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ کسان نے کہا پہلے کھانا کھاتے ہیں کھانا تیار ہے وزیر نے دودن سے کچھ نہیں کھایا تھا بڑے مزے لے کر کھانا کھایا اور مطمئن تھا کہ تیسرے سوال کا جواب بھی مل جائے گا۔ کھانے کے بعد کسان نے کچھ لسی بچائی تھی اور کسان کے ساتھ ایک شکاری کتا بھی تھا جوانہوں نے ایک درخت کے سایہ میں باندھا تھا کھانا کھانے کے بعد وزیر نے تیسرے سوال کا جواب پوچھا۔ لیکن کسان نے کہا تیسرا جواب بتانے سے پہلے آپ سے میری ایک شرط ہے کہ وہ آپ پوری کریں گے۔ وزیر خوشی خوشی آمادہ ہوگیا کیونکہ اسے تو ہرحال اور ہر قیمت پر جواب چاہیے تھا۔ ایک شرط کیا وہ کئی ہزار شرطوں کے لیے تیار تھا۔ بہرحال کسان نے ایک بڑا کٹورالیا اس میں روٹی کے ٹکڑے کیے اوپر بچی ہوئی لسی ڈالی اس روٹی کو نرم کیا پھر یہ کٹورالے جاکر اپنے کتے کے سامنے رکھ دیا اور آکر وزیر سے کہنے لگا کہ میری شرط یہ ہے کہ آج آپ میرے اس کتے کے ساتھ کھانا کھائیں گے وزیر نے اس

کسان کی بڑی منتیں کی کہ یہ شرط نہ رکھیں یہ بڑی مشکل شرط ہے۔ لیکن وہ بھی کوئی کچا آدمی نہ تھا ایک ذرہ بھی ٹس سے مس نہ ہوا۔ بالآخر جب وزیر نے بھانپ لیا کہ کسان کسی صورت بھی شرط چھوڑنے کے لیے تیار نہ ہوگا چونکہ جواب تو اسے ہر حال میں چاہئے تھا، مجبور ہو کر وہ اٹھا اور کتے کے سامنے جا کر بیٹھ گیا اور اسی کٹورے میں اس کتے کے ساتھ نرم روٹی کھانے کے لئے جھک گیا۔ جوں ہی وہ جھکا لقمہ اٹھایا تو کسان نے لپک کر اس کا سر اور گردن پکڑی انہیں اٹھا کر اپنے پاس بٹھایا اور کہنے لگا آپ نے ہماری شرط پوری کر لی بس اب جواب سنو! تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ ہر آدمی مقصد کے سامنے جھک جاتا ہے جیسے ابھی آپ جھکے تھے۔ چونکہ تیسرے سوال کا جواب آپ کو ہر حال میں مطلوب تھا اور وہ جواب آپ کا مقصد بن چکا تھا اس لیے آپ میری اس گھٹیا شرط کو بھی ماننے کے لیے تیار ہو گئے۔ وزیر اس کسان کی فراست اور ذہانت سے بہت ہی زیادہ متاثر ہوا، وزیر خوشی خوشی گھر واپس آیا مہلت ختم ہوگئی تھی اور بادشاہ انتظار میں تھا کہ اتنے میں وزیر داخل ہوا وزیر کے آتے ہی بادشاہ نے جوابات پوچھے جو وزیر نے ایک ہی سانس میں سناڈالے۔ بادشاہ نے حسب وعدہ وزیر کا اعزاز و اکرام کیا۔

واقعہ سے حاصل شدہ سبق

اس واقعے میں ہمارے لیے سبق یہ ہے کہ ہم اپنا مقصد و مطلب اللہ تعالیٰ کو، اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا کو بنالیں تو پھر ہمارے لیے کوئی کام مشکل نہ ہوگا، نہ تلاوت مشکل ہوگی نہ نماز نہ ہی روزہ اور نہ ہی دیگر عبادات۔ آپ دیکھیں کہ زمیندار کھیت کو مقصد بناتا ہے تو پھر اس کھیت کے لئے زمیندار کو رات تین بجے جاگنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ سلمان خیل (پشاور کے مضافات میں واقع ایک گاؤں کا نام ہے) میں، میں نے خود دیکھا کہ رات تین بجے ایک آدمی زمین میں کام کر رہا تھا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنے کاموں میں ریاکاری بھی نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ کوئی دیکھے یا نہ دیکھے وہ کام کرے گا۔ اس لیے ہم بھی کسی کی پرواہ کیے بغیر اپنے مقصد کے

حصول میں لگے رہیں کوئی دیکھے یا نہ دیکھے بس ہم اپنے رب کی خوشنودی کے حصول کے لئے کام کرتے رہیں۔

دنیا اور آخرت کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ایک واقعہ نما مثال

فرمایا انسان کی فطرت ہے کہ نقد کو زیادہ پسند کرتا ہے بنسبت ادھار کے۔ اب دنیا نقد ہے اور آخرت ادھار ہے۔ آپ دنیا کی محبت سے بچیں۔ دنیا کی محبت سے بچنے کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ آپ کمانا ہی چھوڑ دیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا کی وجہ سے آخرت کو نہ چھوڑیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک بادشاہ کا ایک ہی بیٹا تھا، انتہائی نیک اور انتہائی خوش اخلاق تھا، چونکہ وہ اکلوتا بیٹا تھا اس لیے بادشاہ کو اس سے حد درجہ محبت تھی۔ جب وہ شہزادہ جوان ہوا تو اس بادشاہ نے اس کے لیے رشتے کی تلاش شروع کی الغرض یہ کہ کچھ عرصے کے بعد ایک انتہائی نیک اور حسین وجمیل لڑکی سے شہزادہ کا رشتہ طے ہوا پھر شاہی دھوم دھام کے ساتھ اس شہزادے کی شادی ہوئی۔ زندگی یونہی چلتی رہی یہاں تک کہ شہزادہ کی شادی کو ایک سال مکمل ہوا۔ ایک دن ملکہ نے اپنی بہو سے باتوں باتوں میں یہ پوچھا کہ کیا ہم پوتے یا پھر پوتی کی امید رکھیں...... بادشاہ کی بات کا سننا تھا کہ وہ شہزادی زاروقطار رونے لگی۔ ملکہ کو بڑی حیرت ہوئی کہ آخر یہ میری بہو کس بات پر روئی ہے۔ پھر اس نے قصہ پوچھا تو بہو نے اسے بتایا کہ جب سے میری شادی ہوئی ہے تب سے میں نے قریب سے تمہارے بیٹے کو دیکھا ہی نہیں ہے۔ ملکہ بڑی پریشان ہوئی کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے؟ پھر اس نے جلدی جلدی بادشاہ کو اس بات کی اطلاع کر دی اور ساتھ ہی تاکید کی کہ جلد سے جلد صورت حال معلوم کر لی جائے۔ بادشاہ کو بھی بہت بڑا صدمہ ہوا کہ شہزادہ سے انہیں یہ توقع تو نہ تھی؟ یہ آخر اس نے کیا کیا اور ایسا کیوں کیا؟ بادشاہ نے فوراً وزیر کو آدمی بھیج کر بلوایا۔ وزیر کو واقعہ سنا کر بادشاہ نے کہا کہ مجھے جلد از جلد صورت حال بتلا دی جائے وزیر نے حامی بھری اور صورت حال جاننے کے لیے چل پڑا۔ تفتیش کرتے

کرتے وزیر کو یہ بات معلوم ہوئی کہ شاہی محل سے کچھ دور ایک مکان میں ایک بڑھیا رہتی ہے جو کہ بڑی مکارہ ہے اس نے شہزادے پر جادو کرلیا ہے جس کی وجہ سے شہزادہ اس پر عاشق ہوگیا ہے۔اورشہزادے نے بغیر کسی کو بتائے ہوئے اس سے شادی بھی کر لی ہے۔اس لیے شہزادہ بجائے اپنے گھر کے چھپ چھپا کر وہیں جاتا ہے پھر صبح اپنے گھر آتا ہے۔وزیر نے بادشاہ کو آکر ساری صورت حال سے آگاہ کیا بادشاہ نے وزیر سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہئے؟ وزیر نے کہا کہ اس کا تو ایک ہی علاج ہے کہ کسی طرح جادو کو ختم کروادیا جائے بادشاہ کو یہ رائے پسند آئی چنانچہ فوراً جادوختم کرنے والے عامل بلائے گئے اور پھر ان کے ذریعے شہزادہ کا جادوختم کروایا گیا جادوختم ہوتے ہی شہزادے کی تو جیسی آنکھیں کھل گئیں ہوں اس نے ایک نظر اس بڑھیا پر ڈالی تو اس سے شہزادے کوگھن آنے لگی کہ یہ کیا مصیبت ہے اور میں اس پر کیسے عاشق ہوگیا ہوں۔خیر شہزادہ وہاں سے بھاگا۔اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جیسے کسی آدمی کی آنکھیں بالکل بند ہوں اور ناک بھی بند ہو وہ آدمی اسی حال میں ڈھیر سارے پاخانے کے بیچوں بیچ لیٹا ہوا ہو۔تو چونکہ اس پر حقیقت پوشیدہ ہے اس لیے وہ بڑے سکون سے ہوگا چونکہ پاخانہ بھی نرم ہوتا ہے اس لیے اسے یہ نرمی بڑی بھلی معلوم ہوگی اور وہ یہ سمجھے گا کہ میں گلقند یا حلوے کے اوپر لیٹا ہوا ہوں۔لیکن جیسے ہی اس کی آنکھ کھلے گی اور ناک کھلے گی تب اس پر حقیقت آشکارا ہوگی تو وہ کیا کرے گا ایک دم اچھل کر اٹھے گا کہ میں یہ کس گند میں پڑا ہوا ہوں، جائے گا اور فوراً غسل کر کے اس پاخانے کے تمام تر اثرات سے خود کو پاک صاف کرے گا تب جا کر کہیں اسے چین آئے گا۔تو شہزادے پر بھی اس بڑھیا کی حقیقت کھل چکی تھی اس لیے وہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔گھر آ کر جب اس نے اپنی جوان اور باحیا، حسین وجمیل بیوی دیکھی تو مارے خوشی کے وہ بیہوش ہوتے ہوتے رہ گیا۔[۱]

---

[۱] مثنوی مولانا روم رحمہ اللہ

واقعہ سے حاصل شدہ سبق

اس واقعے سے ہمیں یہ سبق ملا کہ جس طرح شہزادے پر بڑھیا نے جادو کا عمل کیا اور اسے اس کی جوان وحسین بیوی سے دور رکھ کر خود پر عاشق بنایا تھا تو بعینہ ہماری بھی یہی حالت ہے سارے انسان شہزادے اور اللہ کے پیارے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہر ہر شہزادے کے لیے حسین ترین جنت بنائی ہے لیکن اب ہوا کیا ہے، ہوا یہ ہے کہ دنیا ایک بڑھیا ہے اس بڑھیا نے اپنی محبت کا ہم پر ایسا جادو کر ڈالا ہے جس کی وجہ سے ہم اپنی اصل جگہ جنت سے غافل ہیں اور اس بدشکل وبدصورت بڑھیا کو جادو کے زور سے حسین سمجھ کر اسی سے تعلق بنائے بیٹھے ہیں اب ہم پر سے اس جادو کو ختم کرنا ہوگا تاکہ ہم حسین جنت کا واقعی حسن دیکھ سکیں اور اس مکار وبدکار وبدصورت بڑھیا دنیا کی حقیقت بھی ہم پر عیاں ہو۔ تو اس کے لئے مجاہدے ہیں اور مجالس ذکر ہیں اور نیک صحبت ہے کہ جن کی برکت سے ہم پر سے دنیا کا جادو ختم ہوجائے گا تو جب دنیا کی محبت کا جادو ہمارے دل پر سے ہٹ جائے گا تب پھر ہم دل کی آنکھ سے آخرت کا حسب دیکھ سکیں گے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دل کی آنکھ سے آخرت کی عزت وشوکت دیکھ لی تو پھر دنیا کی شوکت تمہیں مردار نظر آئے گی (اور تم اس سے خود کو بچانے کی کوشش شروع کردو گے)

اس لیے آپ تمام حضرات سے گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل سے محبت کرلیں اور اللہ تعالیٰ سے سچی دوستی کرلیں اور اس میں انسان کی دنیا آخرت کی کامیابی، ترقیاں، راحتیں اور لذتیں ہیں۔

دوست تین قسم کے ہوتے ہیں

(۱) زبانی دوستی۔ صرف عارضی دوستی ہو، زبانی جمع خرچ ہو بس اس سے آگے کچھ بھی نہ ہو۔

(۲) مفاد پرستی والی دوستی۔ بس یہ کہ اپنے مطلب کی غرض سے دوستی ہو، جہاں مفاد پرستی

میں کوئی رکاوٹ آئی دوستی بھی ختم ہوگئی۔

(۳) دلی دوستی (قائم رہے) اصل دوستی یہی ہے کہ خوشی میں غمی میں آسانی میں مشکل میں غرض یہ کہ ہر حال میں تعلق ہے اور پریشانیوں میں ہاتھ بٹائے اور اس کی وجہ سے یہ دوستی ختم نہیں ہوتی بلکہ اور زیادہ ہو۔ تو یہ دوستی اصل ہے۔ لیکن اس جگری دوستی کے لیے کسی قدر علم کا ہونا بھی ضروری ہے ورنہ صرف ظاہرداریاں بسا اوقات نقصان دیتی ہیں۔

ایک دوست کی جہالت کا واقعہ

اس پر ایک جاہل دوست کا واقعہ یاد آیا واقعہ یہ ہے کہ جیسے میں نے ابھی یہ بات عرض کی ہے کہ اصل دوستی دل کی دوستی ہے جو کہ پریشانی اور مصیبت کے وقت بھی برقرار ہوتی ہے۔ تو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سچی دوستی کو اس شعر میں بیان فرمایا ہے:

دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست
در پریشانی و در حال در ماندگی

''دوست وہ ہوتا ہے کہ مشکل گھڑی اور پریشانی کے وقت میں اپنے دوست کا ہاتھ پکڑے۔''

اب واقعہ یہ ہے کہ دو دوست تھے جن کی دوستی بہر حال گہری تھی۔ خیر اب یہ ہوا کہ ایک دن ان میں سے ایک کا کسی دوسرے آدمی سے جھگڑا ہو گیا وہ دونوں آپس میں دست بگریبان ہو کر ایک دوسرے کو مارنے لگے اب ان دوست صاحب نے یہ کیا کہ اپنے ہی دوست کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیے، پہلے پہل تو اس نے چھڑانے کی کوشش کی جب نہ چھڑا سکا تو غصہ میں آ کر کہنے لگا: ارے یہ کیا مذاق بنا رکھا ہے تم نے وہ مجھے مسلسل مارے جا رہا ہے اور تم ہو کہ نہ تو میری مدد کر رہے ہو بلکہ الٹا میرے ہاتھ پکڑ رکھے ہیں اے احمق مجھے چھوڑ دو خیر اس نے پھر بھی نہ چھوڑا مارنے والے کا جب خوب جی ٹھنڈا ہوا تو اس نے سوچا کہ اب مجھے بھی بس کر دینا چاہئے یہ سوچا اور پھر وہ چلا گیا تب وہ اپنے احمق دوست کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا: ہاں بھئی اب بتاؤ یہ تم نے کیا

عقلمندی کی اور کیوں کی؟ وہ کہنے لگا کہ اصل بات یہ ہے کہ میں ہوں آپ کا سچا اور مخلص دوست۔ اور مخلص اور سچے دوست کی پہچان یہ ہے کہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وہ مشکل گھڑی میں دوست کا ہاتھ پکڑے تو اب میں نے دیکھا کہ وہ آپ کو مار رہا تھا تو آپ پر گویا ایک مشکل گھڑی تھی اور اس مشکل گھڑی میں میرا فرض یہ بنتا تھا کہ میں آپ کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑلوں اس لیے میں تو گویا اپنا فرض ادا کر رہا تھا تمہیں اس پر غصہ کیوں آرہا ہے۔

اب دیکھیں یہ ہے جہالت کا کرشمہ کہ شیخ سعدی کی بات کو اپنی کم عقلی سے اس نے کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔ اس لیے میں عرض کرتا ہوں کہ سچی دوستی کے ساتھ ساتھ علم بھی ضروری ہے ورنہ تو پھر یہی حال ہوگا کہ جو بیان کیا گیا ہے۔ آپ علماء سے پوچھ پوچھ کر زندگی گزاریں خود کتابیں دیکھ دیکھ کر اپنی سمجھ سے عمل نہ شروع کریں اس سے نقصان کا اندیشہ ہے مسائل میں علماء سے تحقیق کرلیا کریں۔

نماز والے جاہل کا واقعہ

اس پر مجھے ایک اور واقعہ یاد آیا وہ یہ ہے کہ ایک امام صاحب نماز پڑھ رہے تھے اور بڑے زوروں کے ساتھ ہل رہے تھے کبھی دائیں سے بائیں ہلتے تھے اور کبھی آگے سے پیچھے کبھی اوپر نیچے لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ میاں جی کیا کررہے ہیں۔ خیر جب انہوں نے سلام پھیرا تو مقتدیوں نے ان سے کہا کہ آج تو آپ کی عجیب نماز دیکھی ہے ایسی نماز تو ہم نے کبھی کسی کی دیکھی ہی نہیں اس کا راز ہم جاننا چاہتے ہیں کہ آپ اس قدر شدت سے کیوں ہل رہے تھے۔ وہ کہنے لگا کہ میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ آپ ﷺ ہلکے نماز پڑھاتے تھے۔[1] ان لوگوں

---

[1] عن انس ؓ ان رسُولَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ من اَخفِ النَّاسِ صلوۃ فِی تَمَام.

(ترجمہ) صحابی ؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ لوگوں میں سے ہلکی نماز پڑھانے والے تھے۔ رواہ مسلم ج ۱ ص ۱۸۸ کتاب الصلوۃ: باب امر الائمۃ بتخفیف الصلوۃ فی تمام

کو یہ سن کر بڑا تعجب ہوا کہ ایسا تو ہم نے پہلی بار سنا ہے اس لیے اگر مناسب ہو تو آپ کتاب بھی دکھا دیں گے وہ خوشی سے کہنے لگا کیوں نہیں! ضرور دکھاؤں گا یہ کہا اور پھر کتاب لا کر انہیں دکھا نے لگے۔ ان لوگوں نے جب کتاب دیکھی تو اس میں یہ لکھا تھا آپ ہلکی نماز پڑھایا کرتے تھے (ہلکا سے مراد یہ کہ زیادہ لمبی نماز پڑھانے کو آپ ﷺ پسند نہیں فرماتے تھے آپ ﷺ ہلکی نماز پڑھاتے تھے) تو اس آدمی نے ہا پر زبر پڑھنے کے بجائے زیر پڑھ دیا اور اس ذراسی غلطی سے بات کہاں سے کہاں تک جا پہنچی۔ بہر حال عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ علماء کرام سے پوچھ کر زندگی گزاریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے نیک کاموں میں بڑھنے کی کوشش کریں دنیا کی محبت کو کم کر دیں اور اچھی صحبت اختیار کریں، علماء کی صحبت، مشائخ کی صحبت مسجد میں درس ہو رہا ہے۔ تبلیغ والے تعلیم کر رہے ہیں وغیرہ میں شرکت یہ سب اچھی مجالس ہیں۔ تجربہ کار علماء کرام سے ہر حال میں رابطہ رکھیں کیوں کہ حدیث میں آتا ہے (جس کا مفہوم ہے) کہ ''قیامت کے قریب لوگ جہلاء سے مسائل پوچھیں گے اور وہ جاہل لوگ بغیر علم کے مسئلے بتائیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔''[1] حدیث بالا کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری ہیئت علماء کی سی ہوگی اور ہوں گے جاہل۔ وگرنہ موچی اور لوہار سے تو عام عوام مسائل نہیں پوچھتے۔ یاد رکھیں بعض لوگ کہیں سے چند مسائل سیکھ کر خوش ہو جاتے ہیں (کہ بس جی اب ہم بھی عالم ہو گئے ہیں نہیں ایسی بات ہرگز نہیں) اس لیے آپ مسائل کے بارے میں تجربہ کار علماء سے رابطہ رکھیں۔

---

[1] عَنْ عَبْدِاللّٰہ بن عمرو بن العَاص یَقُوْل سَمِعتُ رَسُوْلَ اللّٰہ ﷺ یَقُوْل اِنَّ اللّٰہَ لایقْبِضُ الْعِلْم انتزَاعًا ینتزعہ مِنَ العِبَادِ وَلٰکِنْ یَقبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰی اذا لَمْ یَبْقِ عَالِمًا اِتَّخَذَالنَّاسُ رُؤسًا جُھَّالاً فَسُئلُوا فَافْتَوْا بِغَیرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا واَضَلُّوا۔

اخرجہ مسلم ج ۲ صـ ۳۴۰ کتاب العلم باب رفع العلم وقبضہ۔ وبخاری ج ۱ صـ ۲۰ کتاب العلم باب کیف یقبض العلم۔

ایک عالم نما جاہل کا واقعہ

ایک عالم ایک دفعہ دینی طالب علموں کو سبق پڑھا رہے تھے کہ اتنے میں ایک انتہائی وجیہہ شخص آیا اور آکر حضرت کے قریب بیٹھا۔ شکل وصورت، چہرے مہرے اور لباس واطوار سے وہ بہت بڑے محقق عالم معلوم ہو رہے تھے۔ مولانا نے جب انہیں دیکھا تو ان کے ادب واحترام کے پیش نظر محتاط ہو کر بیٹھے کہ کہیں غلطی کر جاؤں ورنہ شرمندگی ہوگی اور سبق بدستور جاری رکھا۔ وہ شخص کافی غور سے مدرس کے سامنے رکھی ہوئی کتاب کو دیکھتا رہا۔ دیکھتے دیکھتے اس نے ایک حرف سے متعلق پوچھا کہ مولانا صاحب یہ واؤ ہی ہے نا جس کا بڑا سر ہے۔ بس پھر کیا تھا اس کا منہ کھولنا تھا کہ ساتھ ہی اس کی حقیقت بھی سامنے آگئی کہ بس صرف ظاہری وجاہت علماء کی سی تھی باقی وہ غریب علم تو کیا و، ب اور قاعدہ بغدادی سے بھی ناواقف تھا۔ خیر میں عرض یہ کر رہا تھا کہ آپ علماء سے ہی رابطہ رکھیں باقی غیر علماء جو ہوتے ہیں نیک لوگ ہوتے ہیں عابد وزاہد ہوتے ہیں آپ ادب واحترام ان کا بھی کریں لیکن مسائل صرف علماء سے ہی پوچھیں کسی غیر عالم عابد سے نہ پوچھیں خواہ وہ بزرگی میں بہت بڑا ہی کیوں نہ ہو۔

اٹھائیسویں مجلس

ذکراللہ کی اہمیت

خطبۂ ابتدائیہ کے بعد

اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ ط اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (المجادلة: ۱۹)

''ان پر شیطان نے پورا تسلط کرلیا ہے سو اس نے ان کو خدا کی یاد بھلادی یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں خوب سن لو کہ شیطان کا گروہ ضرور برباد ہونے والا ہے۔'' (بیان القرآن)

ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ (الزخرف: ۳۶)

''اور جو شخص اللہ کی نصیحت (یعنی قرآن) سے اندھا بن جائے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کردیتے ہیں سو وہ (ہر وقت) اس کے ساتھ رہتا ہے۔'' (بیان القرآن)

شیطان ذکر سے انسان کو غافل کرتا ہے

(ان مذکورہ آیات میں) اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں پر شیطان نے غلبہ پالیا ہے، تو شیطان نے (غلبہ پاکر) انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے۔ اب یہ شیطانی گروہ ہے، خبردار! سنو! شیطانی گروہ نقصان اٹھانے والا ہے۔ دوسری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب آدمی ذکر سے غافل ہوتا ہے تو ہم اس پر شیطان مسلط کرتے ہیں پس وہ اس کا ساتھی ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے: ''شیطان انسان کے دل پر سونڈ رکھتا ہے جب یہ ذکر کرتا ہے تو شیطان وہ سونڈ ہٹادیتا ہے۔'' جب انسان ذکر کرتا ہے تو اس پر فرشتوں کی توجہات ہوتے ہیں (اور جب غافل

رہتا ہے تو اس پر شیطان مسلط ہوتا ہے۔[۱] آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ اجر کمانے والا مجاہد کون ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے زیادہ ذکر کرنے والا، پھر آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ صالحین میں سب سے زیادہ اچھے کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو لوگ زیادہ ذکر کرتے ہیں۔ اسی طرح نماز، حج، صدقہ اور زکوٰۃ سب کے بارے میں یہ سوال ہوا تو جواب سب کا وہی آیا (کہ کثرت سے ذکر کرنے والے سب سے زیادہ اچھے ہیں) یہ جوابات سن کر حضرت ابوبکر ؓ حضرت عمر فاروق ؓ سے کہنے لگے:

ذَهَبَ الذَّاكِرُوْنَ بِكُلِّ خَيْرٍ [۲]

''بھلائیاں تو ساری ذکر کرنے والے لے گئے ہیں۔''

نبی کریم ﷺ نے جواب میں فرمایا:

اَجَلْ

''جی ہاں!'' (واقعی بھلائیاں سب ذکر کرنے والے لے گئے ہیں) چونکہ ذکر تمام اعمال کے لیے بمنزلہ روح کے ہے اس لیے روح والے اعمال زندہ اور زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔ ایک حدیث کا مفہوم

---

[۱] مَامِنْ اٰدَمِی لقلبه بَيْتَانِ فِي اَحَدِهِمَا الْمَلَكُ وَفِي الْاٰخِرِ الشَّيْطَانُ فَاِذَا ذَكَرَ اللّٰهَ خَنَسَ وَاِذَا لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ وَضَعَ الشَّيْطَانُ مِنْقَارَهُ فِي قَلْبِهِ وَوَسْوَسَ لَهُ.

رواه حصن حصين علامه ابن جوزی رحمه الله ص ۲۹ وفي رواية الشَّيطانُ جَاثم عَلى قَلْبِ ابْنِ آدم فَاِذَا ذَكَرَ اللّٰهَ خَنَسَ وَاِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ.

اخرجه مشكوٰة المصابيح ص ۱۹۹ از بخاری تَعْلِيْقًا.

[۲] عَنْ مُعَاذٍ ؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ فَقَالَ اَيُّ الْمُجَاهِدِيْنَ اَعْظَمُ اَجْرًا؟ قَالَ اَكْثَرُهُمْ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى ذِكْرًا قال فَاَيُّ الصَّالِحِيْنَ اَعْظَمُ اَجْرًا؟ قال اَكْثَرُهُمْ لِلّٰهِ تَبَارَكَ تَعَالٰى ذِكْرًا ثُمَّ ذَكَرَ الصَّلَاةَ وَالزَّكَاةَ وَالْحَجَّ وَالصَّدَقَةَ، كُلُّ ذٰلِكَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَجَلْ

(رواه الترغيب والترهيب ج ۲ ص ۴۰۰)

ہے: ”ذکر کرنے والوں کی مثال زندہ کی سی ہے اور نہ کرنے والوں کی مثال مردہ کی سی ہے۔“ [۱]

میر گرامی رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب واقعہ

میر گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے ایک بزرگ گزرے ہیں انہی کا یہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص کہیں دور سے ان کی ملاقات کی غرض سے آرہا تھا خیر وہ شخص جو خواب رات کو دیکھتا دن میں وہی تعبیر وہی واقعہ سامنے آتا سفر کرتے کرتے جب وہ شخص کچھ قریب پہنچا تو ایک رات انہوں نے خواب دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ میر گرامی نامی بزرگ فوت ہو چکے ہیں۔ آنکھ کھلی تو وہ صاحب بڑے پریشان ہوئے کہ یہ کیا معاملہ ہوگیا ہے۔ پہلے پہل تو اسے خیال آیا کہ بس اب مجھے واپس جانا چاہئے کیوں کہ یہاں آنے کا مقصد ہی ان کے ساتھ ملاقات تھی اب جب کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے اب وہاں کیا کرنا ہے لیکن پھر اس نے سوچا کہ چلو اب اتنا آ ہی گیا ہوں تھوڑا سا فاصلہ اور رہتا ہے اس لیے جا کر دیکھ لیتا ہوں کہیں میرے خواب کا کوئی اور مطلب نہ ہو۔ خیر یہ سوچ کر وہ پھر چلا اب جب وہ میر گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے گاؤں میں پہنچا تو لوگوں سے ان کا حال پوچھا کہ کیسے ہیں؟ جواب ملا کہ خیریت سے ہیں وہ شخص بڑا حیران ہوا بہر حال پھر وہ ان کے گھر آیا دیکھا تو واقعی خیریت سے تھے، ابتدائی علیک سلیک اور حال احوال کے بعد اس شخص نے دورانِ سفر دیکھا خواب سنایا۔ خواب سن کر میر گرامی رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ اس رات کی وجہ سے میرے ذکر کا جو معمول تھا وہ رہ گیا تھا چونکہ حدیث میں ذکر نہ کرنے والے کی مثال مردہ سے دی گئی ہے اس لیے پھر اس رات گویا عالم امثال کی دنیا میں، میں مردوں میں شامل ہوگیا تھا۔ [۲]

---

[۱] عَنْ اَبِی مُوسٰی قَالَ قَالَ النَّبِی ﷺ مَثَلُ الَّذِی یَذْکُرُرَبَّہٗ والَّذِی لَایَذْکُرمَثَل الحِی وَالمِیتِ۔
اخرجه البخاری ج ۱ صـ۹۴۸ کتاب الدعوات: باب فضل ذکر اللّٰہ تعالٰی

[۲] فوائد الفؤاد مجلس نمبر ۱۷۔

شرعی اصطلاحات خراب نہ کریں

قرآن کریم میں ذکر کے بارے میں آتا ہے:

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (العنکبوت: ۴۵)

''اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔'' (بیان القرآن)

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ جی جہاد بھی ذکر ہے، تبلیغ بھی ذکر ہے، تعلیم بھی ذکر ہے، بس یہ سب ذکر ہیں (ٹھیک ہے کسی درجے میں بے شک یہ تمام اعمال ذکر بھی ہوں گے لیکن اس کا یہ مطلب بھی تو نہیں کہ ذکر کا الگ سے وجود ہی کوئی نہیں) یہ تو اصطلاحات کو ختم کر دینے کی کوشش ہے۔ آپ دیکھیں کہ نماز کا معنیٰ ہے ''دعا'' لیکن نماز سے دعا کوئی بھی مراد نہیں لیا کرتا (بلکہ ایک خاص عبادت مراد لیتے ہیں) تو اسی طرح ذکر کا بھی ایک اصطلاحی معنی ہے۔ احادیث کی کتابوں میں ذکر کے عنوان سے با قاعدہ ابواب باندھے گئے ہیں جیسے ''كِتَابُ الدَّعَوَاتِ وَالذِّكْرِ'' وغیرہ۔ (تو اب اگر ذکر کا مطلب نماز، جہاد اور تبلیغ ہی ہوتا تو محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کبھی بھی ذکر کے لیے مستقل عنوان اور ابواب نہ لاتے بلکہ وہ نماز کے باب میں یہ بھی کہہ دیتے کہ نماز ذکر بھی ہے، ایسی وضاحتیں وہ دیگر تمام اعمال والے ابواب میں کرتے لیکن انہوں نے یہ نہیں کیا بلکہ تقریباً تمام ہی محدثین نے اپنی کتابوں میں ذکر کے لیے ایک مستقل عنوان اور باب باندھا ہے جیسا کہ یہ بات اوپر بھی ذکر کردی گئی) اس لیے اصطلاحات کو خراب نہ کریں۔ جہاد سے مراد قتال ہے اس اصطلاح کو بھی خراب نہ کریں۔ اصطلاحات کو نہ بگاڑیں (ورنہ تو سارے دین کا حلیہ ہی بدل جائے گا) قرآن کریم میں بھی (یہ تمام اصطلاحات) الگ الگ بیان کیے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ

وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَھُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِراتِ اَعَدَّاللّٰہُ لَھُمْ مَغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا (الاحزاب:۳۵)

"بے شک اسلام کے کام کرنے والے مرد اور اسلام کے کام کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرماں برداری کرنے والی عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور بکثرت خدا کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجرعظیم تیار کررکھا ہے۔" (بیان القرآن)

اب آپ دیکھیں اس آیت میں دیگر اعمال کو ذکر کرنے کے بعد "ذکر" کو بھی ذکر فرمادیا ہے تو اب اگر ایسا ہوتا کہ باقی اعمال ہی ذکر ہوتے (بایں معنیٰ کہ ذکر کا اپنا کوئی معنیٰ نہ ہوتا) تب پھر اللہ تعالیٰ یوں نہ فرماتے:

والذّٰکرین وَالذّٰکِرَاتِ (الاحزاب:۳۵)

"اور بکثرت خدا کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں۔" (بیان القرآن)

بلکہ اس کی جگہ معاذ اللہ یوں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے کہ ان مندرجہ بالا اعمال کو کرنے والے مرد اور عورتیں سب ذاکر ہیں بس انہوں نے صدقہ کیا تو گویا ذکر بھی کیا۔ روزہ رکھا تو ذکر بھی ہوگیا۔ ایسی بات نہیں ہے بلکہ دیگر اعمال کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ "ذکر" کا تذکرہ اس بات پر دلیل ہے کہ دیگر اعمال مستقلہ کی طرح ذکر بذات خود بھی ایک مستقل عمل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک جلیل القدر پیغمبر گزرے ہیں آپ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام بھی آپ ہی کی طرح پیغمبر تھے۔ ان دونوں بھائیوں کو اللہ تعالیٰ نے فرعون مصر کو دعوت وتبلیغ

کرنے کے لیے بھیجا تو جس وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں روانہ فرمانا تھا اس وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں چند ہدایات بتائیں انہی میں سے ایک ہدایت یہ تھی: اللہ تعالیٰ ان کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

وَلَاتَنِيَافِيْ ذِكْرِيْ (طٰہٰ: ۴۲)

''اور میری یادگاری میں سستی مت کرنا۔'' (بیان القرآن)

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابی ﷛ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے ایسی چیز بتادیں کہ جس پر میں جم جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری زبان ہمیشہ ذکر سے تر رہے۔'' [۱]

ذکر کے موضوع پر میں نے مفصل کتاب لکھی ہے، اس کا نام ''ذکر اللہ کے فضائل ومسائل'' اس کتاب پر حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم نے تقریظ بھی لکھی ہے۔ علماء کرام یہ کتاب ضروری پڑھیں۔ میں نے (اپنی) ہر کتاب میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ امت کو (فائدہ) ملے اور وہ افراط اور تفریط سے بچے۔

چند شیطانی وساوس

(۱) چالاک دشمن کا طریقۂ واردات یہ ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے قابو پاتے ہی ہتھیار چھین لیتا ہے شیطان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِسْتَحوَذَعَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَاللّٰه (المجادلة: ۱۹)

''ان پر شیطان نے پورا تسلط کرلیا ہے سو اس نے ان کو خدا کی یاد بھلادی۔''

(بیان القرآن)

---

[۱] عَنْ عَبْدِاللّٰه بن بُسرانَّ رَجُلاًقَالَ يارُسُوْلَ اللّٰهِ ان شَرائع الاسلامِ قدكَثرت عَلَيَّ فَاَخْبِرْنى بشىءٍ اَتَشبَّثُ بِه قَال لَايَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًامِنْ ذِكْرِاللّٰه.

رواه ترمذی ج ۲ صـ ۱۷۵ كتاب الدعوات باب ماجاءفى فضل الذكر وابن ماجه صـ ۲۶۸ كتاب الدعوات باب فضل الذكر.

تو شیطان غلبہ پاتے ہی انسان سے ذکراللہ والا اسلحہ چھین لیتا ہے۔

(۲) شیطان کا ایک دوسرا حملہ یوں ہوتا ہے کہ وہ یہ وسوسہ لاتا ہے کہ جی آپ نے اب تک اتنا ذکر کیا، کیا ملا آپ کو، کیا فائدہ ہوا۔ بس کرو اب رہنے دو فائدہ وغیرہ تو کوئی ہوتا نہیں۔ یہی سوال حضرت اقدس حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی نوراللہ مرقدہٗ کو کسی نے خط میں بھیجا کہ حضرت ذکر کرتا ہوں تقریباً پندرہ سال سے ذکر سے کر رہا ہوں لیکن فائدہ نہیں ہو رہا ہے۔ حضرت حاجی صاحب نوراللہ مرقدہٗ خط پڑھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ اتنے عرصے سے ذکر کی توفیق تو مل رہی ہے پھر بھی کہہ رہے ہیں کہ کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے۔ ذکر کرنے سے بعض لوگوں کے ارادے اور نیتیں درست نہیں ہوتی ہیں کہ میں ذکر کرتے کرتے خلیفہ بنوں گا، پیر بنوں گا یہ گڑبڑیں دل سے ختم کردیں۔ ذکر سے مقصود بس اللہ کا تعلق ہے اور اللہ کا حکم پورا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کثرت ذکر کا حکم فرماتا ہے۔

مجنون کا ایک واقعہ

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مجنون کہیں بیٹھا تھا اور بیٹھے بیٹھے لیلیٰ لیلیٰ لکھ رہا تھا۔ (لیلیٰ وہاں تو تھی نہیں اس لیے) کسی نے آکر ٹوکا کہ تم لیلیٰ لیلیٰ کر رہے ہو اس کا تمہیں کیا فائدہ؟ مجنون کہنے لگا: لیلیٰ کی جدائی کا غم جب ستاتا ہے تو میں اس کا نام بار بار لکھنا شروع کر دیتا ہوں کیوں کہ مجھے تو لیلیٰ لیلیٰ لکھنے میں بہرحال مزہ ہی آرہا ہے تو میں اسے دکھانے کے لیے نہیں بلکہ اپنے مزے کے لیے لیلیٰ لیلیٰ لکھ رہا ہوں۔[۱]

ذکر بہرحال مفید ہی ہے

حضرت اقدس مفتی رشید احمد گنگوہی صاحب نوراللہ مرقدہٗ ہمارے اکابر دیوبند کے سرخیل ہیں۔ اخیر عمر میں آنکھوں کی ظاہری بینائی چلی گئی تھی۔ اسی زمانے کی بات ہے (جبکہ آپ کی بینائی

[۱] مثنوی مولانا روم رحمہ اللہ

چلی گئی تھی) کہ ایک مرتبہ اپنے خادم خاص حضرت اقدس مولانا یحییٰ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمانے لگے کہ کمرے کا دروازہ بند کردو (مجھے ایک بات کہنی ہے) انہوں نے حکم کی تعمیل کی اور دروازہ بند کردیا۔ اس کے بعد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا کہ کمرے میں سب اپنے ہی ساتھی ہیں۔ مولانا یحییٰ صاحب نوراللہ مرقدۂ نے اطمینان دلایا کہ جی حضرت اپنے ہی ساتھی ہیں غرض یہ کہ یہ بات حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدۂ نے کئی مرتبہ پوچھی ہر مرتبہ یہی اطمینان دلایا گیا کہ جی اپنے ہی ساتھی ہیں ان کے علاوہ اور کوئی بھی کمرے میں نہیں ہے۔ جب حضرت کو اچھی طرح اطمینان ہوا تو فرمانے لگے: ''کہ بھئی ذکر جتنی بھی غفلت سے ہو اثر کئے بغیر نہیں رہتا۔''

ایک نادان صوفی کا واقعہ

ایک نادان صوفی تھا، بڑا ذاکر تھا، کئی سال مسلسل ذکر کرتا رہا۔ ایک رات شیطان نے وسوسہ ڈال دیا کہ کیا فائدہ کہ اللہ کی طرف سے لبیک نہیں ''کہ وہ اس کو قبول کرتا نہیں'' تو کیا فائدہ؟ وہ شکستہ دل اور مایوس ہو کر معمولات چھوڑ کر سو گیا۔ رات کو خواب میں حضرت خضر علیہ السلام ان کے پاس آئے اور ان کو کہا یہ غفلت کیوں اس نے کہا کہ اللہ میاں کی طرف سے مجھے کوئی جواب تو مل نہیں رہا۔ بس تو میں نے ذکر چھوڑ دیا۔ تو حضرت خضر علیہ السلام نے ان کو سمجھایا کہ تمہارا ذکر قبول ہے اور اللہ کہنا ہی میرا لبیک ہے کہ پہلا ذکر قبول ہوا اور دوسرے کی توفیق ہوئی۔ جب اس نے سنا تو دوبارہ ذکر شروع کر دیا۔

یہ حقیقت ہے کہ دوبارہ توفیق کا ملنا پچھلے عمل پر اللہ تعالیٰ کے خوش ہونے کی علامت ہے جیسے کہ دنیاوی بادشاہ جب کسی کو ایک مرتبہ دربار میں بلاتے ہیں تو اب اگر وہ بادشاہ اس آدمی کے دربار میں آنے سے خوش ہوا تو پھر بادشاہ دوبارہ سہ بارہ اور بار بار بلاتے ہیں لیکن اگر کسی وجہ سے بادشاہ نے دربار میں ان کا آنا ناپسند کیا اور بادشاہ ناراض ہوا تو پھر دوبارہ بادشاہ کبھی بھی اس شخص کو دربار میں نہیں بلاتے ہیں۔

ثمراتِ ذکر کی حفاظت کریں

جب آدمی ذکر کرتا رہتا ہے تو اس کو اس کے ثمرات اور فوائد نصیب ہیں (چاہے محسوس ہوں یا نہ ہوں ہوتے بہر حال ضرور ہیں) اس لیے آپ ذکر کرتے رہیں ان شاء اللہ فائدہ ہوگا اور حلاوت ملے گی لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ آپ اس حلاوتِ ذکر کے فوائد کی حفاظت بھی کریں اسے ضائع ہونے سے محفوظ رکھیں۔ آنکھوں سے کانوں سے اور زبان سے اس نعمت کو ضائع نہ کریں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایئر کنڈیشنڈ کمرے کو اس وقت تک ٹھنڈا نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ کمرا ہر طرف سے بند نہ ہو۔ کہیں سے بھی اگر کمرہ لیک ہوگا تو ٹھنڈک تو ایئر کنڈیشنڈ سے ملے گی لیکن جلد ہی اس لیک والی جگہ سے نکل کر ختم ہو جائے گی۔ اس لیے عرض کرتا ہوں کہ آپ ثمرات ذکر کی حفاظت کریں۔ گناہ سے پرہیز کریں تو آپ کو ذکر اللہ سے اطمینان اور ٹھنڈک نصیب ہوگی۔

انتیسویں مجلس

عید ضرور منائیں لیکن تحقیق کے بعد

آج شاید آخری روزہ ہو اس لیے کچھ باتیں عرض کرتا ہوں۔ جن لوگوں کو چاند نظر نہیں آیا اور چاند کی پوری شہادت نہیں ملی تو وہ عید کا بھی روزہ رکھ لیتے ہیں تو لوگ انہیں شیطان کا روزہ رکھنے والا کہتے ہیں۔ اور جن کا روزہ ہوتا ہے وہ عید منانے والوں سے متعلق یہ کہتے ہیں کہ ان سب کی بیویوں کو طلاق ہوگئی ہے (کیونکہ انہوں نے عید ایک دن پہلے منائی ہے) یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ (اس لیے ان باتوں سے اور طعنوں سے بچنا چاہئے)

بلا تحقیق بات نہ کریں

(بعض لوگ عید کے معاملے میں بڑے غیر محتاط ہوتے ہیں، بلا تحقیق بات پھیلاتے رہتے ہیں انہیں ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہئے) مجھے خود بھی یاد ہے ایک مرتبہ ہم اسی چاند کے مسئلے میں ایک اجلاس میں بیٹھے تھے ضلع ہنگو میں ایک شخص اجلاس میں آیا اور کہنے لگا کہ ٹی وی میں خبر آئی ہے کہ کل عید ہے (یعنی ٹی وی میں یہ خبر سنی ہے) میں نے ان سے کہا کہ اگر پاکستان کی ٹی وی نے خبر دی ہے اور کہنے والا شخص اگر درست کہتا ہے۔ تو ٹی وی تو پھر اور لوگوں نے بھی دیکھا ہوگا اس لیے ہمیں اور لوگوں سے اس کی تصدیق بھی کر لینی چاہئے۔ میرا یہ کہنا تھا کہ اس کے ساتھ ہی ایک طرف سے دو آدمی اٹھے اور جلدی جلدی گاڑیاں دوڑا کر کر بوغہ شریف آئے انہوں نے لوگوں میں یہ اعلان کروا دیا کہ ہنگو ضلع میں کل عید کا فیصلہ ہوگیا ہے لہٰذا کل عید ہے۔ اللہ کے بندو! (کیا یہی دیانت ہے؟) (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں نے جیسے ٹھان رکھی ہو کہ بس کل تو ہم نے عید ہی منانی ہے چاند دیکھے یا نہ دیکھے) یہ دین کے ساتھ مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟ (قرآن کریم میں آتا ہے)

اِتَّخَذُوا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا

''جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا۔''

آپ اطمینان رکھیں پاکستان کے جس حصے میں بھی عید ہوگی یہاں (خانقاہ میں) ہمیں خبر ضرور پہنچے گی۔ کیونکہ یہاں سب جگہ کے لوگ موجود ہیں۔ عید تو ہمیں بھی اچھی لگتی ہے لیکن عید تحقیق کے ساتھ تو ہو۔ اس لیے یہاں ہم عید کریں گے پوری تحقیق کے بعد کریں گے، پہلے شرعی گواہوں کو جمع کریں گے (یوں نہیں کہ بس جی فلاں جگہ عید ہے تو بس یہاں بھی عید ہے یہ کونسا طریقہ ہے عید منانے کا؟) بہرحال آپ ایک دوسرے کے خلاف باتیں بھی نہ کریں۔ کسی کے روزے کو شیطان کا روزہ نہ کہیں کیوں کہ شیطان کا روزہ عبادت والا روزہ نہیں ہوتا بلکہ وہ تو حسرت اور غم کی وجہ سے کچھ نہیں کھاتا۔ پہلے ہم سنتے تھے کہ بات عورتوں میں بہت جلد پھیل جاتی ہے اب تو اس چیز میں مرد بھی ان کے شانہ بشانہ ہیں مردوں میں بھی بات پھیل جاتی ہے۔ بہرحال بغیر تحقیق کے آپ بات نہ پھیلائیں اس سے نقصان ہوتا ہے۔

تحقیق نہ کرنے کا نقصان

ہمارے یہاں کر بوغہ کا واقعہ ہے کہ ایک سے کسی نے جھوٹ موٹ آ کر کہہ دیا کہ تمہارے بھائی کو فلاں آدمی نے گولی مار کر قتل کر دیا ہے۔ بس پھر کیا تھا یہ سننا تھا کہ انہوں نے بھی گن اٹھائی اور سیدھے جا کر اس آدمی کو قتل کر ڈالا جس کے بارے میں اسے بتایا گیا تھا کہ اسی نے اس کے بھائی کو مارا تھا۔ خیر یہ اسے مار کر واپس گھر آ رہا تھا کہ راستے میں اسے اس کا بھائی مل گیا۔ یہ دیکھ کر حیران و پریشان ہو گئے کہ یہ تو زندہ ہیں خیر تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ کسی نے جھوٹ کی بات پھیلا دی تھی۔ اب کیا کر سکتے تھے قتل تو کر دیا تھا خیر بڑی مشکل سے عرصہ دراز کے بعد بہت سے نقصانات اٹھا کر پھر کہیں مقتول کے ورثاء کو راضی کیا جرگے نے آٹھ لاکھ دیت ادا کرنے کو کہا جو انہوں نے دیے۔ اسی طرح جرگوں اور ادھر اُدھر مال تقسیم کر کے بیس لاکھ سے زیادہ رقم لگ گئی

اب آپ غور کریں اگر ذرا سی تحقیق کر لیتے تو قتل کے گناہ اور بیس لاکھ کے نقصان سے بچت ہو جاتی اس لیے میں عرض کرتا ہوں کہ آپ کبھی بھی بغیر تحقیق کے نہ بات پھیلائیں نہ ہی اس طرح کی باتوں پر یقین رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ط إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل: ٣٦)

''اور جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد مت کیا کر کیوں کہ کان اور آنکھ اور دل سے ان سب کی ہر شخص سے (قیامت کے دن) پوچھ ہوگی۔'' (بیان القرآن)

عقل سے کام لیا کریں۔ کسی کے خلاف بلاوجہ پروپیگنڈہ نہ کریں ایک مرتبہ کی بات ہے یہاں میرے خلاف کسی نے پروپیگنڈہ کیا تھا کہ یہ یاسین شریف کو نہیں مانتا۔ اس لیے عرض کرتا ہوں کہ پروپیگنڈہ اور بہتان نہ کریں۔ بہتان کرنے والا فاسق اور مردود الشہادۃ ہے۔ یاد رکھیں بغیر تحقیق والی بات سے نقصان ہوتا ہے (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں)

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ (الحجرات: ٦)

''اے ایمان والو! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پچھتانا پڑے۔'' (بیان القرآن)

ہر سنی سنائی بات بغیر تحقیق کے آگے پھیلا دینا یہ جھوٹ ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ [1]

''آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات آگے پھیلائے (بغیر تحقیق کے)

---

[1] اخرجه مسلم ج ۱ صـ ۸ باب تغليظ الكذب على رسول الله ﷺ ومستدرك ج ۲ صـ ۲۱ .

علماء کرام حضرات سے درخواست

میری علماء کرام سے یہ درخواست ہے کہ وہ حضرات تفسیری روایات کو بیان کرنے میں احتیاط کریں، احادیث احتیاط سے بیان کریں۔ عوام کو فکری طور پر بیمار نہ کریں۔ (کیونکہ) ان روایات (میں بعض بے سند اور بے اصل روایات بھی ہوتی ہیں جن) سے عام لوگوں کے عقائد بگڑ سکتے ہیں۔

نفس اور شیطان سے کبھی بھی غافل نہ رہیں

یہاں (خانقاہ) سے جانے کے بعد ہم یہ سمجھتے ہیں کہ شیطان ہمیں دیکھ کر بھاگے گا، ایسی بات نہیں ہے کیوں کہ شیطان بڑا ظالم ہے۔ اس کو بہت طریقے آتے ہیں اسی طرح نفس سے بھی محتاط رہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے نفس کی مثال یوں دی ہے کہ نفس سانپ ہے ٹھنڈک کی وجہ سے سکڑ گیا ہے، اب گرمی لگے گی تو یہ ہشاش بشاش ہو جائے گا پھر تمہیں نقصان دے دے گا۔ اس لیے مستقل حفاظت اس میں ہے کہ انسان اچھے لوگوں کے پاس رہے، تبلیغ والوں کے ساتھ رہے، مسجد کے اعمال میں رہے، اور ذکر کا اہتمام کریں۔ ان کاموں کا فائدہ یہ ہوگا کہ آدمی مستقل چلتا رہے گا اور بیٹری چارج رہے گی ورنہ تو پھر دھکا لگانا پڑتا ہے۔